280 392 430

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE
		20	12,19
13,20			
15,23			
14,21			
14,20			

288 392 430

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE
		20	12,19
13,20			
15,23			
14,21			
14,20			
15,22			

سلسلۂ منتخباتِ نظم اُردو

مناظرِ قدرت

مرتبہ

محمد الیاس برنی

ایم۔ اے۔ ال ال۔ بی (علیگ)

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد دوم

مکتبۂ جامعہ

دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی




ALLAMA IQBAL LIBRARY
6071

گزارش

کھُلتا کسی پہ کاہے کو دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

یہ سلسلۂ منتخبات کیا ہے. سراسر اپنے دل کی کہانی ہے. کہنے کو شاعروں کی زبانی ہے. ہر شعر کا یہ حال ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

قدیم وجدید اور معروف وغیر معروف شعرا کے کلام میں جہاں جہاں اپنے دل کی باتیں نظر آئیں منتخب اور مرتب ہو ہو کر سلسلہ وار جلدوں میں شائع ہوتی گئیں. بفضلہ ۱۲ جلدیں تو شائع ہو گئیں. اگر موقع ملتا رہا. تازہ کلام فراہم ہوتا رہا اور سب سے دشوار شرط یہ کہ جدید شاعروں اور ناشروں سے پروانۂ اجازت ملتا رہا تو امید ہے کہ منتخبات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اردو شاعری کا اچھا ذخیرہ یکجا مرتب اور محفوظ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
جون ۱۹۳۸ء

محمدؐ الیاس برنی

288 392 430

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE
13,20		209	12,19
15,23			
14,21			
14,20			
15,22			

تمہید اوّل

اردو شاعری کی بھی عجب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزم سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے، شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں

رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار
بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی
چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں
ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔
پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا
اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ
کے شعلے دبا دیئے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرات، انشا، مرزا شوق
اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر
قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ ان واسوختوں نے
نہ معلوم کتنے تونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب
کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری
کی جان ہے کمیاب ہے۔
اگرچہ بہت سا کلام گردش ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب
بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا
ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں۔ جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے

مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں۔ ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا ہے اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کرکے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے، آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں

کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں، بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجئے اول تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فتادگی و خود فراموشی، سکون و خموشی، جب راگ کا یہ سر گم ہو تو پھر ناممکن ہے کہ اسے سن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو

شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے۔ کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی امنگیں پھر سرد نہ پڑ جائیں۔ اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہے جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی ابھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے، اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا، علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اس کے بیشمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے، لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جا کر نقاشی شروع کی ہے اور ابھی وہ زمانہ دور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں، حاصل کلام یہ کہ اردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجائش ہے اور بحالت موجودہ غالباً انگریزی اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہے۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے اس کے تین جداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملت حمد و نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت، سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب چنانچہ استاتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نو مشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابل قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے، خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں، علاوہ بریں ارتقاء شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر

بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے۔ بایں ہمہ اُن کی ضیافت طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے، اگر انار کے کچھ دانے کچّے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے، اصل مضمون پیش نظر رکھ کر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا، حسب صلاحیت ان کو از سر نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آئندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ امید ہے کہ اس طرح پر اردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا

ہوتی ہے ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے، خدا تعالے ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرماکر نظموں کی فراہمی میں مدد دی اور اسکی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مولف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہے
ملک کو، زبان اردو کو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعیُ مِنّیِ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)
اگست سنہ ۱۹۱۹ء

محمد الیاس برنی

تمہید دوم

مُروّجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہی۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہی۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلہ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دھنتے ہیں

ان کی ہم پلہ نظمیں خود اُن کی اُردو زبان میں موجود ہیں شعر وسخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہے امید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اردو شاعری کی قدر و محبت پیدا ہوگی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملت مناظر قدرت اور جذبات فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادان سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمائشوں کا تار بندھ گیا اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہوگئیں۔ اس قدرشناسی اور ہمت افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کردی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آئے سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے سنہ ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر

سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہوگئیں جن میں کم وبیش دو سو قدیم وجدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمدللہ ان کتابوں نے امید اور توقع سے بڑھ کر شہرت ومقبولیت حاصل کی قدیم وجدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے، بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے، سفر حضر میں ان کو پیش نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت وجلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھر اس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب کی عام وخاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبان میں بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے، یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹیو اسٹڈی

کہتے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی ترتیب شمار ہوتا ہے، مزید برآں اس قسم کی ترتیب سے اُردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے، کہ کن کن مضامین کی فضا میں اردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھ کر بہت سے منکر اور غافل اردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہوئے ہیں، حالانکہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ بے مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالانکہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا۔ اس سے بڑھ کر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار بجا ترتیب دے دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں۔ میر تقی میر۔ مرزا غالب اور اکبر آلہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے منہ سے حقایق کے پھول جھڑتے رہتے

ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کر کے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہو بھی گئیں تو اکثر کے عنوان ندارد۔ پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگائے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے، غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی، ورنہ اس خطہ کے سرسری رہروں کو اکثر ایک خودرو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ تدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا شائع ہوتا گیا اس طرح چار سٹ مرتب کر کے بارہ جلدیں شائع ہوئیں اگرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی مضامین کی مجانست ترتیب کی روح رواں ہے۔ وافر مواد مہیا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجانست مضامین کہیں زیادہ چست اور وسیع ہو گئی ہے حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں

ازسرِنو شائع کی جاتی ہیں اور آئندہ یہ ان کی مستقل شکل رہیگی۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا سٹ

معارفِ مِلّت

جلد اوّل متعلق دینیات یعنی حمد، نعمت، مناجات اور معرفت کی نظمیں، جن میں دین و ایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال۔ اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں، خاص کر واقعہ کربلا کے ١٥ جگر دوز نشتر لذت شہادت تازہ کردیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں، قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق وحکمت کے جوانمول
موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم
کردیئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل
قدر تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے۔

دوسرا سٹ

جذبات فطرت

جلد اوّل۔ اردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سودا کے کلام
کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب
دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں
یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم۔ اردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالب اور اس کے خاص ہم عصر یا
خاص ہم رنگ شعرا ذوق، ظفر اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب
غزلیات کے علاوہ مرزا غالب کے متفرق اشعار کی ترتیب سے
جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تین قدیم مستند اور باکمال شعرا کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعرا کے کلام کا دلکش انتخاب شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظر قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح و شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے،

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے

ان کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم۔ متعلق نباتات و حیوانات یعنی پھول پھل، کیڑے پتنگے، تتلیاں چڑیاں پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اردو شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم متعلق عمرانیات، یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں، جلسے، کھیل، تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم سب طرح کے حالات پیش نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں۔ مناظر قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی یہ بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں۔ اگر آئندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاء اللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلے کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہیگی اور ہر جلد میں معارف ملت، مناظر قدرت اور جذبات فطرت تینوں حصوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے۔ ہر حصہ کی جداگانہ جلد مرتب ہونیکا

انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو امید ہے کہ اُردو
کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شائقین کو بلا دقت دستیاب
ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم
بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمائش جاری ہے بلکہ اصرار تک نوبت پہنچ گئی
ہے مہلت اور موقع شرط ہے ممکن ہے کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی
شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر ۱۹۲۴ء

محمد الیاس برنی

فہرستِ مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

مناظرِ قدرت

جلد دوم

استارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو
مآلِ حُسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو

متاعِ نُور کے لُٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو
ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ شرر تجھ کو

زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھ کو
مثالِ ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گزرتی ہے

چمکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اقبال

۲- صبح کا ستارہ

لطفِ ہمسایگیٔ شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں

عارضی حسن ہے دشمن ہے مرا نورِ سحر
یہ ملا خسروِ خاور کا پیامی بن کر

میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی

آسماں کیا عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا

میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقیٔ موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا

نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

واں بھی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا
چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گلو ہو جاتا

ہے چمکنے میں مزہ حسن کا زیور ہو کر
زینتِ تاجِ سرِ بانوئے قیصر ہو کر

ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبہ جاگا
خاتمِ دستِ سلیماں کا نگیں بن کے رہا

ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست
ہے گہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ انجام اگر زینتِ عالم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں

اشک بن کر سرِ مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہو رواں ہو کے زرہ میں مستور
سوئے میدانِ وغا حُبِّ وطن سے مجبور

یاس و امید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی رضا تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کی حیا طاقتِ گویائی دے

زرد رخصت کی گھڑی عارضِ گلگوں ہو جائے
کششِ حُسن غمِ ہجر سے افزوں ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
دل سے مانندِ مئے تند چھلک ہی جاؤں

صبر کا خون نکل آیا ہو ڈھل کر مجھ میں
ایک طوفان ہو افکار کا مضمر مجھ میں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں
عشق کا سوز زمانہ کو دکھاتا جاؤں

اقبال

۳۔ نظارۂ قدرت

اگر تیری قدرت کی کاریگری
نہ کرتی سمجھ بوجھ کر رہبری

تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام
طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام

بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت
کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت

یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی
اسے دیکھتے یوں ہی دنیا گئی

زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گذر
رہی اس کی ہیبت پہ سب کی نظر

اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں
اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں

عجب ہی یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب
ہمیشہ مُصفّا ہی بے رفت و روب

نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف
اِدھر سے اُدھر تک ہی میدان صاف

جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید
عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید

کہیں جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے
جدھر دیکھئے اس طرف بند ہے

بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول — چُرس ہے نہ جھُری نہ سلوٹ نہ جھول

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ — نظر کی پہنچ کا ٹھکانہ ہے یہ

ہوا کو دیا تو نے کیا خوب رنگ — سراسیمہ ہے عقل اور فکر دنگ

پرے اس کی حد سے نہ جائے نظر — جہاں تک نظر جائے آئے نظر

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے — چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

نظر آرہے ہیں عجب شان سے — ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے

چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

یہ لعل و گوہر ہیں جو بکھرے ہوئے — زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے

کوئی ان میں سورج کوئی ان میں چاند — کہ یہ ماہ و خور سامنے جن کے ماند

نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ

پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے — ترے حکم کے ذوق میں جھومتے

یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے — بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے

گھسے جو کبھی اور نہ ٹوٹے کبھی — نہ اس بند سے کوئی چھوٹے کبھی

رسائی سے ہاتھوں کی برتر ہے وہ — نظر کے بھی قابو سے باہر ہے وہ

نہ سیمیں نہ زریں نہ وہ آہنی — مگر دستِ قدرت سے ہے وہ بنی

کھلے کب کوئی اس کو کھولے اگر اسے عقل یا دے ٹٹولے اگر

وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی

عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور تلاسب کا رہتا ہے آپس میں زور

یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

ہر یک کے لئے اک معین ہے دور وہی اک وطیرہ وہی ایک طور

نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں کہ قانون قدرت سے مجبور ہیں

سدا چال کا ایک انداز ہے نہ کھٹکا نہ آہٹ نہ آواز ہے

کبھی یہ چلتے چلتے ٹھٹکتے نہیں طریقہ سے اپنے بھٹکتے نہیں

ہے ان سب کا آئین ایجاد ایک ہنر ایک ہے اور استاد ایک

یہ شاخیں ہیں سب ایک ہی اصل کی بہاریں ہیں کل ایک ہی فصل کی

ہر چیز ذرّے سے تا آفتاب بلاشبہ رکھتی ہے یکساں حساب

ہیں ذرّوں میں خورشید کی سی صفات ہے خورشید بھی ذرۂ کائنات

حقیقت میں ہے یاں دورنگی کہاں جہاں ذرہ ہے اور ذرہ جہاں

نہیں تیری قدرت سے کچھ یہ بعید کہ ہو ہر ستارہ جہان جدید

نہیں تیرے لطف و کرم سے عجب کہ ہو اس جہاں میں بھی مخلوق سب

ہو گرمی بھی سردی بھی برسات بھی
اندھیرا اُجالا بھی دن رات بھی
یہ ندی یہ نالے سمندر پہاڑ
یہی بیل بوٹے درخت اور جھاڑ
ہوا بھی ہوا اور لطف باراں بھی ہو
خزاں بھی ہو فصل بہاراں بھی ہو
ہو سر پر اسی طور سے آسماں
ہو پاؤں کے نیچے زمیں بھی وہاں
فلک پر ستارے بھی ہوں جلوہ گر
وہاں بھی ہو دوران شمس و قمر
ہو انسان بھی اور حیوان بھی
ہر اک جنس کا ساز و سامان بھی

اسمٰعیل

۴۔ خدا کی صنعت

جو چیز خدا نے ہے بنائی
ظاہر ہے اس میں خوش نمائی
کیا خوب ہر رنگ ڈھنگ سب کا
چھوٹی بڑی جس قدر ہیں اشیاء
ہر چیز کی ہے ادا نرالی
حکمت سے نہیں ہے کوئی خالی
ننھی کلیاں چٹک رہی ہیں
چھوٹی چڑیاں پھدک رہی ہیں
اس کی قدرت سے پھول مہکے
پھولوں پہ پرندے آ کے چہکے

چڑیوں کے عجیب پر لگائے ۔۔۔ اور پھول ہیں عطر میں بسائے
چڑیوں کی ہی بھانت بھانت آواز ۔۔۔ پھولوں کا جدا جدا ہے انداز
محلوں میں امیر ہے بآرام ۔۔۔ ہے در پہ کھڑا غریب ناکام
ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج ۔۔۔ بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج
روزی دونوں کو دی خدا نے ۔۔۔ معمور ہیں قدرتی خزانے
دن کو بخشی عجب صفائی ۔۔۔ تاروں بھری رات کیا بنائی
کیا دودھ سی چاندنی ہے چٹکی ۔۔۔ حیران ہو کر نگاہ ٹھٹکی
تارے رہے صبح تک نہ چاند ۔۔۔ آگے سورج کے ہو گئے ماند
نیلا نیلا اب آسماں ہے ۔۔۔ وہ رات کی انجمن کہاں ہے
شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا ۔۔۔ پھر صبح نے کر دیا اجالا
جاڑا، گرمی، بہار، برسات ۔۔۔ ہر رت میں نیا سماں نئی بات
جاڑے سے بدن ہے تھرتھراتا ۔۔۔ ہر شخص ہے دن میں دھوپ کھاتا
سردی سے ہیں ہاتھ پاؤں ٹھرتے ۔۔۔ سب لوگ الاؤ پر ہیں گرتے
سرسوں پھولی بسنت آیا ۔۔۔ سب نے پھاگن کا راگ گایا

پھوٹیں نئی کونپلیں شجر میں ۔۔۔ ایک جوش بھرا ہوا ہے سر میں
جاڑے کی جو رت پلٹ گئی ہے ۔۔۔ دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے
گرمی نے زمین کو تپایا ۔۔۔ بھانے لگا ہر کسی کو سایا
برسات میں دَل ہیں بادلوں کے ۔۔۔ ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے
رو آئی ہے زور شور کرتی ۔۔۔ دامان زمین کو کترتی
کس زور سے بہ رہا ہے نالا ۔۔۔ اونچے ٹیلے کو کاٹ ڈالا
بل کھا کے ندّی نکل گئی ہے ۔۔۔ رُخ اپنا ادھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس ۔۔۔ بستی ہے بسی اجاڑ کے پاس
بستی کے ادھر ادھر ہے جنگل ۔۔۔ جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اگائے ۔۔۔ باغوں میں اسی نے پھل لگائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی ۔۔۔ دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سبزے سے ہرا بھرا ہے میداں ۔۔۔ اونچے اونچے درخت ذی شان
روشن آنکھیں بنائیں دو دو ۔۔۔ قدرت کی بہار دیکھنے کو

ہر شے اس نے بنائی نادر
بے شک ہے خدا قوی و قادر

اسمٰعیل

۵۔ خدا کی کاریگری

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا — کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا

پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی — اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا

مٹی سے بیل بوٹے کیا خوشنما اگائے — پہنا کے سبز خلعت ان کو جواں بنایا

خوش رنگ اور خوشبو گل پھول ہیں کھلائے — اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا

میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے — چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں دہاں بنایا

سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی — کیا خوب چشمہ تو نے اے مہرباں بنایا

سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی — رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا

پیاسی زمیں کے منہ میں مینھ کا چوایا پانی — اور بادلوں کو تو نے مینھ کا نشاں بنایا

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی — قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا

تنکے اٹھا اٹھا کے لائیں کہاں کہاں سے — کس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا

اونچی اڑیں ہوا میں، بچوں کو پر نہ بھولیں — ان بے پروں کا ان کو روزی رساں بنایا

کیا دودھ دینے والی گائیں بنائی تو نے — چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوش عناں بنایا

رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر — ان نعمتوں کا مجھ کو پھر قدرداں بنایا

آب رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے
مچھلی کے تیرنے کو آب رواں بنایا
ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائگاں بنایا

اسمٰعیل

۶۔ صبح صحرا

فلک پر اڑا وہ سنہرا غبار
منور ہوئے وادی و کوہسار
نجوم اپنی ہستی کو کھونے لگے
تجلی میں روپوش ہونے لگے
سحر لے کے آئینہ آفتاب
ہوئی جلوہ افگن بصد آب و تاب
مطلّا پہاڑوں کی وہ چوٹیاں
دکھاتی ہیں اس وقت کیا کیا سماں
ہرے نخل ان پر زرافشاں کرن
شعاعوں کی وہ کونپلوں کی پھبن
وہ سرسبز پودے طراوت بھرے
وہ شفاف چشمے لطافت بھرے
وہ شبنم کی دھوئی ہری ٹہنیاں
زمرّد کی وہ قدرتی کلغیاں
وہ پانی کا جھرنا وہ چاندی کے تار
وہ شیشے کی چادر وہ صاف آبشار
سر شاخ پھولوں کا گہنا کہیں
گلے مل کے نہروں کا بہنا کہیں

کہیں لالۂ سرخ ساغر بدوش
کہیں نرگس مست حیرت فروش

وہ نکھرا ہوا چہرۂ نونہال
وہ بکھرے ہوئے سنبل تر کے بال

کہیں پھول پھولے کہیں مرغزار
ریاحین خودرو کہیں بے شمار

وہ گنجان شاخیں شجر سایہ دار
پہاڑوں کے دامن میں وہ سبزہ زار

جما سرو کوہی کا دنگل کہیں
چرندوں کے جنگل میں منگل کہیں

کہیں طائران سحر نغمہ زن
کہیں چوکڑی بھر رہے ہیں ہرن

کہیں غول کے غول رعنا غزال
پرے کے پرے مرغ یاقوت بال

پرندوں کا جھرمٹ برنگ سحاب
کہیں جھنڈ چڑیوں کا بالائے آب

وہ دریا کا موجیں کہیں مارنا
کچھاروں میں شیروں کا ہنکارنا

کہیں غار میں جاگزیں تیندوے
کہیں کھو میں بیٹھے ہوئے اژدہے

درندوں کا جنگل میں وہ گھومنا
کہیں ہاتھیوں کا کھڑے جھومنا

کہیں گھاٹیوں پر درندوں کا زور
کہیں ڈالیوں پر پرندوں کا شور

وہ گلوں کا چرنا چراگاہ میں
بچھا سبز قالین ہر راہ میں

وہ کیلے کا جنگل وہ آب رواں
ترائی میں لاکھوں جڑی بوٹیاں

چٹانوں پہ وہ چادر آب صاف
ہو چاندی کے تیر کا جیسے غلاف

سلیں سنگِ مرمر کی باآب و تاب
دکھانے لگیں پرتوِ آفتاب

بے نظیر

۷۔ گلگشتِ چمن

جو راہی ہوا کاروانِ نجوم
ہوئی آمدِ مہرِ تاباں کی دھوم

شفق میں چمکنے لگی وہ کرن
سنہری ہوئی سقفِ چرخِ کہن

جواہر اٹھی بسترِ ناز سے
جگایا اُسے حسنِ انداز سے

ہے نقشِ سلیماں یہاں ایک باغ
کہ رضواں کا جس سے ہو تازہ دماغ

کھلے ہیں ہزاروں طرح کے گلاب
وہاں اور پھولوں کا پھر کیا حساب

چہکتے ہیں کیا بلبلِ خوشنوا
سہانا یہی وقت ہے سیر کا

کہا شہ نے بہتر ہے چلیے ابھی
وہیں چل کے بہلائیں کچھ دیر جی

یہ کہہ کر اٹھے دونوں وہ بامراد
چلے جانبِ باغ مینو سواد

ابھی ہیں وہ گو کچھ گلستاں سے دور
لگا کھینچنے دل کو لحنِ طیور

جو پہنچا درِ باغ تک وہ نگار
قدم لینے دوڑی نسیمِ بہار

دعائیں لگے دینے برگِ چمن گئی لوٹ پاؤں پہ شاخِ سمن

ہرا فرش سبزہ بچھانے لگا قدم سر پہ جادو اٹھانے لگا

پھرے گرد آ آ کے مُرغ ہوا بلائیں لگی لینے موجِ صبا

روش خاکساری دکھانے لگی کہیں نرگس آنکھیں بچھانے لگی

پڑھا دیکھ کر بلبلوں نے درود ہلانے لگی مورچھل شاخِ عود

خوشی سے شگفتہ ہوا روئے گُل بڑھی عطر داں لیکے خوشبوئے گل

جھکا کر سر گیسوئے پُرشکن لگا جھاڑنے سنبل تر چمن

بچھانے لگی صبح کافور ناب چھڑکنے لگی شبنمِ گل گلاب

بڑھا پیشوائی کو جوشِ نمو چلی رکھ کے سر خاک پر آبِ جو

جھکی شاخِ گل رسمِ تسلیم کو اٹھے سرو شمشاد تعظیم کو

زرِ گل کیا باغباں نے نثار تصدق ہوئی نو عروسِ بہار

جما خوب گلشن میں دربارِ عیش
دیا نذر قدرت نے گلزارِ عیش

بے نظیر

۸- صبح بہار

اللہ اللہ لطف صبح بہار — اک عجیب کش مکش میں ہے گلزار
پھر رہی ہے نسیم اٹھلاتی — اس طرف آتی اس طرف جاتی
کبھی پھولوں کو چھیڑ آتی ہے — کبھی غنچوں کو جا ہنساتی ہے
کبھی شاخوں کو جا ہلا آئی — گل کو جھولا کبھی جھلا آئی
سبز پتوں پہ قطرے شبنم کے — نظر آتے ہیں صاف موتی سے
نیم وا ہے ابھی کلی کوئی — اور کوئی کھل کے پھول بن بیٹھی
ابتدا میں وہ باہمی الجھاؤ — ایک کا دوسرے کے ساتھ لگاؤ
پھر وہ کھلنے کا خوش نما منظر — پھیلنا پنکھڑی کا تھم تھم کر
بلبلیں چہچہے سناتی ہیں — چڑیاں آپس میں نغمے گاتی ہیں

الغرض ہے عجب سماں ہادی
کیا ہو تعریف اسکی قدرت کی

۹۔ صبحِ چمن

دل نے چاہا باغ میں چل کر — دیکھیں قدرتِ حق کے منظر
صحنِ چمن میں جس دم پہنچا — عجب وہاں کا نقشا دیکھا
بادِ بہاری ٹھنڈی ٹھنڈی — پھولوں کی خوشبو سے لدی تھی
چھوٹے چھوٹے گلوں کے تختے — صحنِ چمن میں کھلے ہوئے تھے
دیکھ کے قدرت کی گلکاری — وجد میں تھی خود بادِ بہاری
پتوں پر شبنم کے قطرے — گویا موتی ٹکے ہوئے تھے
سطحِ چمن پر سبزہ کیا تھا — مخمل کا ایک فرش بچھا تھا
ہاتھ میں تھا لالہ کے ساغر — مست نسیم تھی اس کو پی کر
ایک طرف نرگس متوالی — کسی کا رستہ دیکھ رہی تھی
محوِ مسرت شہد کی مکھی — لب پھولوں کے چوس رہی تھی

صحنِ گلستاں باغِ ارم تھا
اللہ اللہ کیا عالم تھا

۱۰۔ صبح چمن

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چمن میں ڈال رہی ہے جان سی تن میں
باغ کا عالم دیکھئے کیا ہے صحن چمن کیا خوب سجا ہے
قطرے نہیں شبنم کے پڑے ہیں پتوں پہ گویا موتی جڑے ہیں
پٹری ۔ پٹری ۔ کیاری ۔ کیاری ستھری ستھری پیاری پیاری
جوہی چنبیلی ۔ سیوتی ۔ بیلا سیب بہی ۔ خوبانی کیلا
اس دم جتنا ملک زمیں ہے شبنم کے سب زیر نگیں ہے
مہک رہا ہے گلشن سارا بکھرا ہے گویا عنبر سارا
بادِ سحر ہے جھونکا دیتی ڈالی زمیں کا ہے بوسہ لیتی
ڈالی ڈالی ہری بھری ہے بوٹا بوٹا ہے یا سبز پری ہے
ٹہنی ٹہنی پر ہے پرندا
گاتا گیت ثنائے خدا کا

سید علمدار حسین

۱۱۔ بندرابن کی صبح

آثار عیاں ہوئے سحر کے — ساماں ہونے لگے سفر کے

ہل چل میں ہے کاروانِ انجم — مغرب کو چلا نشانِ انجم

وہ شب کا سیاہ شامیانہ — اب لے کے قمر ہوا روانہ

تارے سب ایک ایک کر کے

آگے پیچھے چلے قمر کے

مشرق میں ہے نور ہلکا ہلکا — طلعت کا ظہور ہلکا ہلکا

صبح بن کر عروسِ تازہ — آئی مل کر شفق کا غازہ

آئی اور کس ادا سے آئی — شانوں پر کاکلیں ملائی

چہرہ اس کا وہ یعنی خورشید — بے پردہ عدوے حسرت دید

ہر چیز کو پرتو سحر سے

قدرت نے رنگائے رنگ زر سے

جمنا ابھی خواب سے اٹھی ہے — پیدا اُبشرے سے تازگی ہے

کرنیں جمنا سے کھیلتی ہیں — ظلمت کو پرے ڈھکیلتی ہیں

ہے محو خرام ناز جمنا | عشاق کی دلنواز جمنا
ساحل پر دوب دب پر اوس | مخمل تو ہے دوب اور گہر اوس
جمنا کا لباس مخملی ہے | اور موتیوں سے لدی کھڑی ہے
جنگل کے وہ پھول آہ خود رو | بھینی بھینی وہ ان کی خوشبو
دھیمے دھیمے صبا کے جھونکے | انداز خرام وہ گلوں سے
طائر ہر سمت نغمہ زن ہیں | یہ مطرب محفل چمن ہیں
ہر چند ہے دل پذیر جمنا | کب دل کو مگر یہاں ہے تھمنا
جمنا سے نہیں ہے کام ہم کو | ہے ذوق لقائے شام ہم کو

مل جائے ہمیں کہیں کنہیا
آرام دل حزیں کنہیا

محروم

۱۲۔ صبح بنارس

سہانی ہے کس درجہ تاروں کی چھاؤں | ٹہلنے کی خاطر مچلتے ہیں پاؤں
بچھائے ہوئے مرگ چھالے فقیر | لب نہر تڑکے سے ہیں جائے گیر

وہ جوگی بھی دھونی رمائے ہوئے
ہیں پوجے میں آسن جمائے ہوئے

وہ سیلے وہ جوڑے چمکتے ہوئے
وہ کانوں میں مندرے لٹکتے ہوئے

وہ گھنٹی بجاتے ہوئے برہمن
ہیں بت خانوں میں کس طرح نعرہ زن

نہانے کو وہ نازنینانِ شہر
چلی آتی ہیں کس طرح سوئے نہر

وہ تھالی میں سیندور چندن لئے
کوئی آرہا ہے عجب آن سے

بنارس کی وہ ریشمی ساڑیاں
وہ گھونگٹ لٹکتا ہوا الاماں

ہر اک کی نئی دھج نیا ڈھنگ ہے
لب گنگ اس وقت کیا رنگ ہے

نزاکت سے کوئی لچکتی ہوئی
ادھر آرہی ہے جھجکتی ہوئی

جو اشنان کرتی ہے وہ اک پری
ہے اس کی نظر کیا ہی جادو بھری

جو الٹے ہے گھونگٹ کو وہ اک حسیں
ہے کس درجہ اس گل کی ساری مہیں

جو پیش نظر وہ پری زاد ہے
عجب اس کا حسن خداداد ہے

وہ آتی ہے جو مسکراتی ہوئی
قیامت کا چھل بل دکھاتی ہوئی

جسے دیکھئے وہ پری حور ہے
نہ سنبھلے اگر قلب۔ معذور ہے

جو چھپ چھپ کے وہ دیکھتی ہے ادھر
چبھوتی ہے در پردہ سو نیشتر

نہا کر جو نکلی ہے وہ سیم تن
ہوئی بھیگ کر ساری جزو بدن

وہ آنچل سے چہرہ چھپائے ہوئے نگاہیں کسی سے لڑائے ہوئے

وہ آتی ہے اک شوخ رنگیں لباس کہ ہر فعل جس کا محبت اساس

وہ گل ناز سے آرہی ہے ادھر چلے جیسے اٹھلا کے بادِ سحر

وہ ہر بار ٹھکرا کے سیڑھی کوئی سناتی ہے جھنکار پازیب کی

نہائے ہوئے وہ جو آتا ہے غول غضب کے سب اعضا ہیں انکے سڈول

وہ بھیگے ہوئے بال بکھرے ہوئے وہ چہرے بہت صاف نکھرے ہوئے

کسی کا وہ گورا چھریرا بدن کوئی دھان پان اور رشک سمن

کوئی زلف ڈالے ہوئے دوش پر کسی کی نزاکت سے دہری کمر

کسی کا وہ اترا کے چلنا کہیں کسی کا وہ گر کر سنبھلنا کہیں

بہت شوخ و مغرور ظاہر میں سب لدیں سر سے پا تک جواہر میں سب

کوئی لو لگائے خدا کی طرف نگاہیں جھکیں پشتِ پا کی طرف

کٹوری میں کوئی لیئے پھول پان کھڑی ہے وہ مندر میں مندر کی جان

کسی کا حیا سے سر پاک خم کہ عصمت بھی کھائے اسی کی قسم

چترنی کوئی تو کوئی پدمنی کوئی ان میں رادھا کوئی جانکی

مہادیو کو جل چڑھا کر تمام چلی جاتی ہیں اپنے گھر شاد کام

۱۳ شام اودھ

ہوا چوک کی سمت پہلے گزار — تو دیکھا بہ رنگ عروس بہار

چپ و راست آراستہ ہر دکان — ٹہلتے ہیں سرمست کیا کیا جوان

عمائد بھی کچھ شہر کے ذی وقار — چلے جا رہے ہیں فٹن پر سوار

بہت گل رخوں کو بٹھلائے ہوئے — وہ جاتے ہیں وگنٹ اڑائے ہوئے

وہ پھولوں کی کلغی لگائے ہوئے — نزاکت سے چابک اٹھائے ہوئے

نظر آتی ہے شانِ حسن آفریں — ہوا کھانے نکلے ہیں کیا کیا حسیں

حسینوں کا جھرمٹ جدھر دیکھیے — نظر کو یہ حیرت کدھر دیکھیے

بسا عطر میں یہ ہر اک کا لباس — معطر ہو جس سے دماغ قیاس

کھڑے ہیں وہ مالی ادھر بے شمار — لیے کامنی اور سیوتی کے ہار

تماشائیوں کا ہے یہ ازدحام

کہ چھلتے ہیں کاندھوں سے کاندھے تمام

بے نظیر

پُل پر شام تنہائی

ہے پل پہ عجیب لطف دیکھو
منہ جانب غرب کرکے بیٹھو

سورج ہے غروب ہوتا جاتا
عالم پہ سکوت سا ہے چھاتا

موجوں سے نسیم کھیلتی ہے
ٹھکراتی اور ڈھکیلتی ہے

پانی کی بچھی ہوئی ہے چادر
نقش بکھر رہا ہے اس پر

گردوں پہ ہیں رنگ کیسے کیسے
پھیکے اور شوخ بھاری ہلکے

ہر رنگ میں اک نئی ادا ہے
گلزار فلک پر کھل رہا ہے

پانی جو افق سے جا ملا ہے
نظارہ عجیب ہو رہا ہے

اک غم زدہ اک طرف ہے بیٹھا
حیرت سے ہے دیکھتا تماشا

خاطر میں خیال ہے کسی کا
نظروں میں جمال ہے کسی کا

فرقت کی ہے چوٹ اس کے دل پر
آنکھوں کو تلاش روئے دلبر

حسرتؔ

۱۵۔ جنگل کی چاندنی رات

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر — وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت — اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے — خس و خار سارے جھلکتے ہوئے

درختوں کے سایہ سے مہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی — سو وہ عالم وجد میں تھی کھڑی

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا

لگی بولنے وجد میں واہ واہ

میر حسن

۱۶۔ بندھیاچل کی چاندنی رات

چاندنی رات اور بندھیاچل کا جنگل پر فضا — مالوے کی شب کہ گرما میں بھی سرد اس کی ہوا

چاندنی کا صاف ستھرا فرش صحنِ کوہ پر — سایۂ اشجار سے چھٹکے ہوئے اس پر شجر

چاندنی کے پھول روشن چاندنی کے نور سے — چاندنی ایسی کہ تم پتوں کو گن لو دور سے

گر رہا ہے کوہ پر جھرنوں سے پانی جابجا
دے رہی ہے لطف نہروں کی روانی جابجا

چاندنی کے نور سے شفاف نہروں کی چمک
چاند کے پرتو سے ان نہروں میں لہروں کی چمک

برگ برگ نخل کو جنبش میں لاتی ہے ہوا
ڈالیوں کو دے کے جھٹکے پھل گراتی ہے ہوا

پھول پھل سب ہل رہے ہیں وجد میں آئے ہوئے
پیڑ جتنے ہیں کھڑے ہیں ہاتھ پھیلائے ہوئے

سبز سبزہ جابجا ہے۔ لال لالہ جابجا
ان سے پتھر بھی عیاں ہے کالا کالا جابجا

جابجا پھولوں کے غنچے جابجا بیلوں کی جال
جابجا کھولے ہیں برگد کی جٹائیں اپنے بال

وہ پپیہے کی صدا جو کہہ رہا ہے "پی کہاں"
کوئل اب بولی۔ خدا جانے یہ اب تک تھی کہاں

ہاں میں سمجھا ہو گی یہ آموں کے باغوں میں کہیں
اس دم آنکلی مگر جنگل سے لطف اس کو نہیں

کوئی نیچی، کوئی اونچی۔ ہر پہاڑی مختلف
شکل میں پھیلاؤ میں جھاڑی سے جھاڑی مختلف

شپر اڑتے پھرتے ہیں پیڑوں پہ پھل کھاتے ہوئے
جا رہے ہیں راق اڑتے اور بل کھاتے ہوئے

وہ ادھر سرخاب پانی میں پڑے ہیں دیکھنا
وہ کنارے پر تنے سارس کھڑے ہیں دیکھنا

گونج اٹھتا ہے پہاڑ ان سارسوں کے شور سے
تھوڑی تھوڑی دیر میں لو اُٹھتے ہیں کس زور سے

جانور جنگل میں آتے ہیں نظر پھرتے ہوئے
پنچھی کھانے کو ثمر دیکھے جہاں گرتے ہوئے

پیتے ہیں چشموں کا پانی لیکن اندیشہ کے ساتھ
خوف ہے اُن کو کہ پڑ جائیں نہ یہ شیروں کے ہاتھ

ہیں ستارے تو بہت لیکن درخشاں چند ہیں
چاندنی کے نور کی چادریں پنہاں چند ہیں

نیلگوں رنگِ سما اس پر ستارے جلوہ گر
جیسے آئیں بلبلے جمنا کے پانی پر نظر

چاند پھرتا ہے زمیں کے گرد کس انداز سے
کوئی خوش رو جس طرح ٹہلے ادا سے ناز سے

ہے زمیں سے اس لئے گو فاصلے پر ہٹ گیا
یہ زمیں کے دل کا ٹکڑا ہی تو ہے جو کٹ گیا

کون گھر جائے بھلا منہ اس ہوا سے موڑ کر
میں نہیں جانے کا شوقؔ ایسی فضا کو چھوڑ کر

شوق قدوائی

۱۷۔ چاندنی اور خانہ باغ

نظر آئی واں چاندنی کی بہار
کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار

در و بام یک لخت سارے سپید
ہر اک طاق و محراب صبح امید

بلوریں دھرے ہر طرف سنگ فرش
کہ جس سے منور رہے رنگ فرش

ہر ایک سمت واں نور کا ازدحام
لگے آئینے قدِ آدم تمام

لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر
پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر

لب نہر پر صاف جو غور کی
تو پٹڑی تھی وہ ایک بلّور کی

پڑے اس میں فوّارے چھٹتے ہوئے
ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے

مقرض پڑا اس میں مقیش جو
گرا ماہ واں رشک سے پرزے ہو

لئے گود مقیش چھوٹے بڑے
ہر اک جا ستارے اڑا دیں کھڑے

غرض اپنی صورت ستاروں کو توڑ
زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ

ہوائیں وہ جگنو سے چمکیں بہم
ملیں جلوۂ مہ کو زیر قدم

فقط چاندنی میں کہاں طور یہ
کہ طرہ نہ جب تک ملے اور یہ

زمانہ درخشاں ہوا در فشاں
زمیں سے لگا تا سماں دُرفشاں

کھڑا ایک نمگیرۂ زرنگار
کہ تھے جس کے جھالر پہ موتی نثار

جڑاؤ وہ استادے الماس کے
ڈھلے ایک سانچے کے اک اس کے

کھچی ڈور ہر سمت زرتار کی
لڑی جوں کناری کی ہوں ہار کی

کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن
کہ سورج کی ہو گرد جیسے کرن

مغرق بچھی مسند اک جگمگی
کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی

نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے
کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے

زمیں نور کی آسماں نور کا
جدھر دیکھو ادھر سماں نور کا

چمن سارے داؤدیوں سے بھرے
جوانانِ شبّو کے ہر جا پرے

ستاروں کا مہتاب میں حال یوں
کہ جھرنے میں پانی کے قطرے ہوں جوں

اگر کہیے سایہ اوپر آگاہ
تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ

کرے ہے نگہ جس طرف کو گزر
بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

میر حسن

۱۸۔ چاندنی اور تالاب

ایک شب جو تھی چاندنی کی بہار
سیر دریا کو میں اٹھا اک بار

پھٹ گیا ابر ہٹ گیا تھا سحاب
صاف تھا مطلع شب مہتاب

تھا فلک سے زمیں تلک اک نور
نور سے تھا خلا وہ سب معمور

نور افشاں تھا چشمۂ مہتاب
نور آگیں تھا چشمۂ تالاب

تھا جہاں میں کہیں نہ گرد و غبار
ہاں مگر تھا بخاطر انجار

پہنچا آخر میں تا لب تالاب
تھا جو تالاب چادر مہتاب

سطح نوری تھا وہ ہر آئینہ
موج تالاب تھی ہر آئینہ

دیکھتا تھا قدرت حق
کہ وہ آئینہ تھا مجھے مطلق

آب اس وقت ذوق شوق میں آ
سر کو ہر سنگ پر پٹکتا تھا

موج زن تھی ہوا باوج اسد دم — وجد میں تھی ہر ایک موج اس دم
مُرغ دریا تھے ذکر میں اس کے — چشم گریاں تھی فکر میں اس کے
دو دماں کا بخار الفت تھا — دل ماہی میں خار الفت تھا
آئینہ تھی وہاں ہر ایک خزف — چشم حق بیں تھی سینہ چاک صدف

جلوہ آرا تھا عالم مہتاب
ماہ سے تا بماہی تا لاب

میر حسن

۱۹۔ شب تاریک

ہے وہ بھیانک رات اندھیاری — توبہ ہے اے ایزد باری
اِکّا دُکّا ہیں کچھ تارے — چھپ گئے باقی خوف کے مارے
کرتی ہے دنیا سائیں سائیں — صرف درندوں کی ہیں صدائیں
رنگ عمارت ہے یہ نرالا — جیسے پہاڑ اک کالا کالا
کوئی سواد شب کی حد ہے — گوشہ گوشہ گھر کا لحد ہے

سوچ رہا ہوں باتیں کیا کیا
دیکھ رہا ہوں نقشہ کیسا

عزیز

۲۰۔ جنگل کی رات

جنگل کی اندھیری رات سنسان — بادل بھی گھرا ہوا پریشان
جھونکوں میں غضب کی سنسناہٹ — شاخوں میں رگڑ بلا کی آہٹ
پیڑوں کا وہ ہولناک انداز — شیروں کی وہ خوفناک آواز
شعلوں کا وہ خود بخود بھڑکنا — پتوں کا وہ جا بجا کھڑکنا
وہ بوم کا ہو۔ وہ ہو کا عالم — وہ وہم کی صورتِ مجسّم

اے حسن وہاں بھی جلوہ گر تو
جگنو بن کر ادھر ادھر تو

شوق قدوائی

۲۱۔ سمندر کی رات

نصف شب اور اس پہ کالی رات
ماہ قمری کی ہے ہلالی رات

سارا عالم ہے خواب میں مدہوش
باسفورس میں ہے نرالا جوش

لہریں پانی کا راگ گاتی ہیں
موجیں اُٹھ اُٹھ کے دف بجاتی ہیں

سطحِ دریا پہ ہے ہمارا جہاز
ہے تلاطم سے محو ناز و نیاز

موجیں لوری سنا رہی ہیں اُسے
لہریں جھولا جھلا رہی ہیں اُسے

ننھے ننھے وہ خوشنما تارے
چھوٹے چھوٹے وہ دل ربا تارے

وہ ہمیں دیکھ کر ہیں دور سے خوش
ہم اندھیرے میں ان کی نور سے خوش

(ترجمہ نظم انگریزی)

محمد عبدالعزیز شوق

۲۲۔ جنگل کی برسات

یہ نظر فریب منظر
یہ فضائے برشگالی

یہ نسیم روح پرور
یہ گھٹائیں کالی کالی

لب جو برسنے والی

کہیں مینھ کے ہیں جھالے
کہیں بادلوں کے ہیں دل
کہیں بہ رہے ہیں نالے
کہیں روپ پر ہیں جنگل
کہیں کوکتی ہے کوئل

جو اُبل رہے ہیں چشمے
تو چڑھی ہوئی ہیں ندیاں
جو برس گئے ہیں جھالے
تو ہرا بھرا ہے میداں
ہے زمیں کا سبز داماں

کبھی قوس ہے نمایاں
بہ ہزار دل رُبائی
کبھی آفتاب تاباں
کبھی تیرگی ہے چھائی
کہ گھٹا ہے گھر کے آئی

کہیں بگلوں کی قطاریں
ہیں ہوائیں اونچی اونچی
کہیں مینھ کی پھواریں
لب جوئیں ٹھنڈی ٹھنڈی
کہیں بہ رہی ہے کشتی

جو چٹک رہی ہیں کلیاں
تو لہک رہا ہے سبزہ
جو ہوا ہے عنبر افشاں
تو مہک رہا ہے صحرا
کہ رُت ہے روح افزا

یہ چمکنے والے جگنو　　یہ سوادِ شب کا عالم
یہ گھٹا کے بکھرے گیسو　　یہ خروشِ رعد پیہم
یہ نمودِ برق ہر دم

یہ جلا وطن مسافر　　جو میانِ دشت و صحرا
ہوئے گوشہ گیر آ کر　　کہ چڑھے ہوئے ہیں دریا
یہ ہیں رام اور سیتا

شاکر

۲۳ پہاڑی بادل

وہ دیکھو کوہ کے پہلو سے طفلِ ابر اُٹھا　　وہ سامنے ہی جہاں پیڑ یوکلپٹس کا
وہ بھاپ سا وہ دھواں سا وہ ملگجا سا ابر　　وہ ننھا منا بگولا سا وہ ذرا سا ابر
وہ پیارا پیارا سا وہ دلربا سا دیکھو تو
نہ دیکھا ہوگا کبھی یہ تماشا دیکھو تو

اہا ہا۔ کھڈ میں سے اور اک غبار سا نکلا　　ہوا کے گھوڑے پہ بادل سوار سا نکلا
وہ پھیلا اور وہ سر کا بڑھا چلا کیا خوب　　وہ مل کے دونوں نے ٹیلہ چھپا لیا کیا خوب

اندھیرا ہو گیا اب دھوندھکار بادل سے

نہاں نظر سے ہوئے کھیت سبز مخمل سے

وہ دیودار کے جنگل وہ قرن خوش منظر — بنے ہوئے تھے جو سب کوہسار کا زیور

نظر فریب جو تھیں پھول پتیاں اے لو — وہ سب دھندلکے میں بادل کی چھپ گئیں دیکھو

وہ آسمان کا حسن نظر فریب چھپا — فراز کوہ کھڈوں کا جو تھا نشیب چھپا

وہ دل فریب سماں سب نظر سے اوجھل ہے

زمیں سے تا بہ فلک اب تو صرف بادل ہے

لو بھیگی بھیگی ہوا آئی مینھ برسنے لگا — لو بوندوں کا سر کہسار پر بندھا سہرا

لو کھڑکیوں پہ مہاوٹ کی چلمنیں چھوٹیں — لو وہ پہاڑ سے پتھر گرے سلیں ٹوٹیں

لو پانی سانپ کے مانند کوہ سے اترا — لو کھنڈ کی سمت چلا بے تحاشا لہراتا

اُچھلتا کودتا رکتا ہوا چلا۔ آہا — سمٹتا پھیلتا جھکتا ہوا چلا۔ آہا

بدلتا رنگ کھڈوں میں مچاتا شور گھسا

چمکتا گرتا سنبھلنا دکھاتا زور چلا

نکھر رہے ہیں شجر اور حجر دلھن کی طرح — پہاڑ پر ہے بہار آج گل چمن کی طرح

عروج روح کو حاصل ہے لطف منظر سے

یہ طفلِ ابر الٰہی یونہی بڑھے برسے

۲۴- پہاڑی برسات

دفعتاً ہلکا سا اک جھالا برس کر کھل گیا
ہو گئی جس سے ہوا کی سب کدورت تہ نشیں

صاف تھی سطح فضائے آسمان نیل گوں
اور اس پر بہ رہی تھی کشتی ماہ مبیں

پشت پر میری لدا تھا بندھیاچل کا پہاڑ
نربدا حدِ نظر تک خامشی سے تھا رواں

عرش سے جب فرش پر نظریں گریں تو واہ واہ
ایک اوپر آسماں تھا ایک نیچے آسماں

نیلگوں پانی میں وہ چاند اور وہ تاروں کا عکس
وہ حیات خامشی۔ وہ محشرستان سکوت

دل یہ کہتا تھا کہ ہے انوار قدرت کا نزول
اور یہ ہے تسبیح اور تہلیل حیّ لا یموت

عقل حیراں تھی کہ کیا قدرت کی ہیں نیرنگیاں
اور کیا تاثیر جاں ان پاک گل بوٹوں میں ہے

کس قدر فرحت فزا ہیں یہ شجر اور یہ حجر
اور کیا زندہ دلی ان غیر ذی روحوں میں ہے

پھول پھل سے جیب صحرا آکے بھر جاتا ہے کون
ڈالیاں جاتی ہیں یہ ہر روز کس سرکار میں

کہیے تو کس کے لئے چن چن کے جاتے ہیں بھرے
دن کو پھول اور شب کو تارے دامن کہسار میں

دیر تک دریائے لذت میں رہا میں غوطہ زن
دیر تک اسرار قدرت میں رہا بیٹھا مگن

اور کیا جانے یہ حالت رہتی کب تک ناگہاں
کوئی رکھ کر ہاتھ شانہ پر میرے بولا کہ قُم

نادر کاکوروی

۲۵۔ برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے
لیتا ہے مول بادل گر کر تلاش زر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
آدھے اساڑ تو اب دشمن کی گھر سی برسے
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منہ اٹھا کر
ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر
"ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر
کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آ کر"
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں نے پھر آ گھٹا جو چھائی
بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
ہو مست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی
بدلی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آ کر کبھی مزے کی ننھی پھہار برسے
چیروں کا رنگ ٹپکے جس اور نکھار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے
چھاجوں امنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہی ہر دم برسے ہیں مینھ کی دھاریں
اور جس میں اڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں

کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں　　اور مور مست ہو کر جوں کو کلا پکاریں
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا　　برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ پانی بہا ہی جاتا
وحش و طیور ہر اک مل مل کے ہے نہاتا　　غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

نظیر

۲۶۔ برسات کی بہار

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل　　برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل　　جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول عمل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی　　کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی　　ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی　　پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن　　سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں　　تار بارش کا جو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید   ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل
وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع   گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اُسے لیکر مشعل
ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیر اگھُپ ہے   برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل
جس طرف سے گئی بجلی پھر اُدھر آ نہ سکی   قلعۂ چرخ میں ہیں بھول بھلیاں بادل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ   چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل
جگنو پھرتے ہیں جو گلشن میں تو آتی ہے نظر   مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول
جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں   لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل   سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار و پیدل

شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل   تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل   رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل
سطح افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی   روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل
چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے   نیزہ چمکائے ملاتا ہوا برچھا بادل
مری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش   کسی بیدرو کو دکھلائے کرشنا بادل

دل بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی
چشم پرآب کا ہے ایک کرشمہ بادل

یہ تپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی
چشم پرآب کا دھویا ہوا خاکا بادل

اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے
میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقا بادل

کچھ ہنسی کھیل نہیں جوشش گریہ کا ضبط
یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل

دیکھتا گر کہیں محسن کی فغان و زاری
نہ گرجتا نہ برستا کبھی ایسا بادل

محسن

۲۷۔ برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاہٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا ڈونڈ رہے ہیں — مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے امنڈ رہے ہیں — برسے ہے مینھ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں — گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں — اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوڑیں نوبت کی گت لگاویں — جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجاویں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینھ بلاویں — پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گاویں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے — قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگل میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے — بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی — اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاری
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی — یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یارب سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت

سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں "سبحان تیری قدرت"

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا
اور مور کی زٹل میں تیرا ہی پیام ہے گا

یہ رنگ سو مزے کا جو صبح شام ہے گا
یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کو کو
پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو

کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں

بادل ہوا سے گھر کر گھنگھور ناچتے ہیں
مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۲۸۔ جھولا

تجھ سے اے جھولے ادائے دلکشی ہے آشکار
تیرے ہی باعث فزوں تر ہے گلستاں کی بہار

آگئی برسات ساون کا مہینہ ہے شروع
تجھ کو پڑنا چاہیے شاخ شجر میں پائدار

تیری ہی خاطر تو سب آئے ہیں جھولے باغ میں
جھولنے کو ہیں حسینانِ جہاں امیدوار

سب فراہم ہو لیا ساماں مگر اب ہے تلاش
ہو بڑا سا پیڑ کوئی شاخ کوئی استوار

منتظر ہیں سب پڑے تو پہلے میں ہی بیٹھ جاؤں
جانب شاخ شجر ہے آنکھ اور دل بے قرار

دوڑ کر وہ ایک جا بیٹھی غضب کی شوخ ہے
سب تو منہ تکتے رہے اور یہ ہے جھولے پر سوار

وہ زمیں پہ ٹیک کے تلوے بڑھایا اس نے پینگ
وہ خوش آوازی سے گانے والی ہے کوئی ملہار

پاؤں ٹہنی سے لگانا لازمی ہے پینگ میں
شرط یہ سب جھولنے والوں میں ہے پائی قرار

جان کو دیتی ہے راحت دل کو دیتی ہے سرور
پینگ کے ہمراہ چلتی ہے ہوا جو بار بار

لطف جھولے کا غرض برسات میں آتا ہے خوب
پھُوئیں پھُوئیں پڑ رہی ہے آج کل ہر سو پھوار

محوی

۲۹-اوس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پھر بندی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کمر بند
دم رُک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال
پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم دھونکنے لگتا ہے لُہاروں کی گویا کھال
کچھ روح کو بیتابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر
کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسو و مچھّر
پانی کوئی پیوے تو ادہن سی بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

جس وقت ہوا بند ہو اور آ کے گھٹا چھائے ‏ ‏ پھر کہئے دل اس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینہ جو نہ اوڑھو تو غضب آئے ‏ ‏ پسّو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی ‏ ‏ تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اوس کی چڑھائی ‏ ‏ تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اس رت میں تو واللہ عجب عیش ہیں دلخواہ ‏ ‏ مینہ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبزہ چراگاہ ‏ ‏ اوس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

نظیر

۳۰۔ شہر کی برسات

کتنوں کو محلوں اندر ہی عیش کا نظارا
یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گذارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا
اٹھ اٹھ کے ان کو مینہ میں آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا
کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا
گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائباں ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا
باقی تھا اک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے
دیوار کا بھی دھڑ کا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے
مفلس سو جھونپڑے میں دل شاد ہو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا
ان کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اٹھانا

ہے جن کو اپنے گھر میں یاں نون تیل لانا ہر سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں ہر ان کے سر پہ چھتری ہاتھی پہ وہ چڑھے ہیں

ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی

پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی جوتی پہ پھنسی تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں

کتنے اٹھے ہیں مر مر کتنے اکس رہے ہیں وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۳۱۔ برسات کی مکھیاں

یارو میں چپ رہوں بھلا تا کے مکھیاں تو بہت ہوئیں درپے

چلے آتے ہیں غول پے در پے — شور ہے غُل بھنبھناہٹ ہے
کوئی تھوکے کوئی کرے ہے قے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا — کھا کے پھر ذکر کیا بچانے کا
کوئی پینے کا اور نہ کھانے کا — یہ برا حال ہے زمانے کا
سخت مشکل بڑی خرابی ہے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دو چنوں سے جو منہ چلاتا ہے — اس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
دال روٹی پہ قہر آتا ہے — اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے
اس نے اللہ جانے کھائیں کئے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کپڑے اُجلے ہیں یا کہ میلے ہیں — سب یہ گو مکھیوں کے پھیلے ہیں
سر سے تا پا سڑے کچیلے ہیں — آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے ہیں
اڑ گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دلبروں کی یہ شامت آئی ہے آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
تھوڑی بھوں آنکھ سب سجائی ہے حسن کی بھی یہ بدنمائی ہے
رہ گئی رنگ روپ کی سب رے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

رنڈیاں کسبی اب جو گاتی ہیں مکھیاں منہ میں بیٹھ جاتی ہیں
دم بدم تھوکنے کو جاتی ہیں کھانس کھنکھار سر ہلاتی ہیں
تو بھی بندھتی نہیں ہے ان کی لے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

ہے نظیر اب تو شان میں مکھی گھر کے ہر اک مکان میں مکھی
شہر کی ہر دکان میں مکھی بھر گئی سب جہان میں مکھی
کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

نظیر

۳۲۔ کیچڑ کی آفت

یہاں کیچ کا اس قدر ہے ہنگام — خشکی کا سُنا نہیں کہیں نام

نکلے ہے کوئی جو گھر سے ناگاہ — ڈھونڈھے ہے وہ پُل صراط کی راہ

ٹک اس میں کیا جو پاؤں نے فرق — یکبار ہے سر سے پاؤں تک غرق

رستوں میں ہو خلق اس طرح خوار — جوں شہد میں ہوں کہیں مگس خوار

جاتے ہیں جو ان دنوں میں دربار — اس طرح سے ہیں ذلیل اور خوار

اک خلق کا اژدحام ہے ساتھ — پکڑے ہے کوئی کمر کوئی ہاتھ

کہتا ہے کوئی کہ پل بناؤ — بولے ہے کوئی کہ ناؤ لاؤ

ہر چار طرف نفر کھڑے ہیں — کیچڑ میں میاں اندھے پڑے ہیں

مت جان ہو پالکی جنھوں پاس — ہرگز نہیں کچھ انھوں کو وسواس

ان کے بھی گئے ہیں کیچ سے ہوش — پھرتے ہیں ہمیشہ خانہ بر دوش

رتھ میں جو کوئی سوار ہو یہاں — وہ سب سے زیادہ خوار ہو یہاں

چلنے کا کرے جو اک قدم میل — پھر پھنسیئے۔ نہ رتھ۔ نہ آپ۔ نے بیل

یہاں تک ہو جیتر زمین کی گھری — تا تحت ثرے کہیں نہ ٹھہری

جو گاؤں میں کہیں ہیں مردم سو بیل ہیں ہوا تھا وہ گم

اس راہ سے بھول کر کبھی آئے بکری کی طرح سے شیر ممیائے

چھینٹوں کا زبس وفور ہے یہاں کیچڑ سے ہیں ہر ایک کسی کے افشاں

دو چار جو بیٹھتے ہیں مل پاس ہوتا ہے عجب مزے کا اجلاس

کیچڑ میں ہیں شور بور ایسے

چہلے میں پڑی ہو بھینس جیسے

قائم

۳۳- برکھا رین

رات اندھیری اور اس پر سائیہ ابر سیاہ

راستہ ڈھونڈھے نہیں پاتی کسی جانب نگاہ

ابر کی چادر کے پیچھے سب ستارے چھپ گئے

شب کی تاریکی بلا تھی ڈر کے مارے چھپ گئے

کچھ نظر آتے ہیں جگنو نام کو ہے جن میں نور

ان پہ بھی ظلمت ہے غالب ورا گرہیں بھی تو دور

یا تو کر دے منتشر اس ابر کو تو اد ہوا
یا بڑھا دے اس پر اپنے جبر کو تو اد ہوا

سلسلہ بجلی کا قائم کر کہ روشن ہو جہاں
ہو زمیں پیش نظر۔ پنہاں رہے گو آسماں

بادلوں کو دم نہ لینے دے یہ ٹکراتے رہیں
برق کے جلوے زمین تک بن کے نور آتے رہیں

بن گئی رعد او ہوا تو نے ستم ہی کر دیا
میرے بچوں کے دلوں کو خوف سے کیوں بھر دیا

اڑ گئی نیند ان کی آنکھوں سے یہ چونکے رو اُٹھے
تھرتھرائے۔ خوف سے سہمے پریشاں ہو اٹھے

اور بادل آ گیا گھر کر کہ ظلمت بڑھ گئی
تیرگی پر تیرگی کی دوسری تہ چڑھ گئی

شمع بھی گل ہو گئی اور ریچ بھی ملتی نہیں
کون ڈھونڈھے میری بیوی خوف سے ہلتی نہیں

بڑھ گئی بارش تو چھت ٹپکی یہ اور آفت ہوئی
کس طرف کھینچوں۔ مسہری کیا ہوئی زحمت ہوئی

گر پڑا وہ گھر کسی کا۔ وہ گری بجلی کہیں
وہ کڑک۔ وہ روشنی آئی فلک سے تا زمیں

الاماں۔ بجلی یہ کیا ہے۔ قہر ہے اللہ کا
روکنے والا نہیں ہے کوئی اس کی راہ کا

خیر بادل اڑ گیا تارے نظر آنے لگے
ہٹ گیا پردہ تو دیدے اپنے چمکانے لگے

حق نے پیدا ان ستاروں میں چمک کیا خوب کی
قمقموں سے زینت سقف فلک کیا خوب کی

کہکشاں میں ہو گئے یکجا ستارے کس قدر
ان کا پرتو ہے عیاں۔ گو خود کم آتے ہیں نظر

اس ہوا کو کاش بحر اپنے بخارات اب نہ دے
ہو جو دینا ہی تو دے وہ دن کو وقت شب نہ دے

وہ مؤذن نے اذان دی آگیا وقت غلس
شوقؔ مسجد کو چلو۔ اللہ بس باقی ہوس

شوقؔ قدوائی

۳۴۔ برسات میں اپنے گھر کی حالت

جسمِ خاکی میں جس طرح جاں ہے
اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے

ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں
زندہ در گور ہم کئی تن ہیں

ہے جو سر کوب اک بڑی دیوار
وہاں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار

بخت بد دیکھو سارے پرنالے
اس کے معمار نے ادھر ڈالے

اب جو آیا ہے موسم برسات
دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات

مینھ میں گھر کے پانچ چھے چھپّر
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر

پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے
سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے

دل ہے کچھ مکڑیوں کا احساں مند
کہ جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند

پھوس کچھ ہے کہیں سو آتا ہے
بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے

اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے

کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
باندھتا ہوں مچان رہنے کو

بند جھانکوں کو کیجیے تا کے
یاں تو ایک آسمان ٹُٹا ہے

ٹھیکی دینے کو جا اڑے ہیں ہم
سر پہ ٹھڑ لیئے کھڑے ہیں ہم

ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے | بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے

تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں | خاک ہے ایسی زندگانی میں

اب تو اپنا بھی حال بدتر ہے | سر پہ گٹھری ہے تس پہ چھپر ہے

چاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار | جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار

گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے | چھت بھی بے اختیار روتی ہے

مینھ یکبارگی جو ٹوٹ پڑا | کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا

دامے پایان کار ٹوٹ بہے | طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ بہے

بہ گئے گولے تختے ڈوب گئے | غرض اجزائے سقف خوب گئے

اکھڑی دہلیز سب منڈیر گری | لہر پانی کی جھاڑو دیتی پھری

ساری بنیاد پانی نے کاٹی | اینٹ کے گھر کو کر دیا ماٹی

جھک گئے سب ستون در بیٹھا | وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا

جب اجارے پہ آ کے چھت ٹھیری | ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھیری

آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں | کسو ٹٹی پہ منھ کر نکلیں

دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب | ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب

گٹھری کپڑوں کی میں اٹھائی تھی | سر پہ بھائی کے چارپائی تھی

بوجھ کپڑوں کا جس نے باندھا تھا
اس کا سارا انگار کاندھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا
کوئی سر پہ اجاغ لے نکلا
چھاج کی کوئی کرکے اوٹ چلا
مینھ کے مارے کوئی لوٹ چلا
منہ پہ بھجنے کو ایک نے ردیا
ایک نے سرکی کا گیا کھویا
ایک نے چھینکے حال حال کیئے
پائے پٹی گلے میں ڈال لیئے
ایک نے بوریا لپیٹ لیا
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر
الگنی سب کے ہاتھ میں دے کر
صف کی صف نکلی اس خرابی سے
تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے
جس نے اس وقت آنکھ کو کھولا
ہنس کے بے اختیار وہ بولا
میر جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے کنجڑ کہیں کو جاتے ہیں
سن کے اس بات کو ترائے ہم
بارے ایک بھائی کے گھر آئے ہم
شب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب
نہیں ملتا ہے گھر بقدر حساب

جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

میر

۳۵- اپنے گھر کا حال

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
اس خرابی میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

اس چکش کا علاج کیا کریے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو راہ کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایوان کیچ

آنکھیں بھر لاکے یہ کہیں ہیں سب
کیونکہ پردہ رہے گا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات

باڑیں کانپتے ہوں جو تھر تھر
ان پہ رہ دار رکھے کوئی کیونکر

کیچ لے لے کے بارے چھویا ہے
چھونیا کاہے کا ہے تھویا ہے

ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہو خاک

کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی نے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے

چارپائی جب اس میں بچھوائی — پہلے چلپا یہ ہی نظر آئی

کوسے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں — پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں

آگے اس حجرہ کے ہے ایک ایواں — وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں

کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ — اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ

کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے — کبھو چھت سے ہزار پائی گرے

کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی واسا کہیں سے چھوٹا ہے

دب کے مرنا ہمیشہ مدِ نظر — گھر کہاں صاف موت کا ہے گھر

مٹی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم — تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم

وہی ہیں اڑواڑیں پھر جو حد سے زیاد — جل ستوں سے مکان دے ہے یاد

اینٹ مٹی کا گھر کے آگے ڈھیر — گرتی جاتی ہے ہوتے ہوتے منڈیر

کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال — پڈری کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال

طوطا مینا تو ایک بابت ہے — پودنا پُدکے تو قیامت ہے

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار — تھرتھرائے جھنبیری سی دیوار

ہوگیا ہے جو اتفاق ایسا — شاق گذرے ہے کیا کہوں جیسا

ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب — اڑ جھنبیری کہ ساون آیا اب

تیتری یاں جو کوئی آتی ہے — جان محزوں نکل ہی جاتی ہے

نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ — کہیں کھسکے تو ہو قیامت تنگ

ایک دن ایک کوّا آ بیٹھا — بے گماں جیسے ہوّا آ بیٹھا

نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا — ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اس کی کہیں کہیں کھسکی — جی ڈھا اور چھاتی بھی دھکی

سان کر خاک لگ گئے دو چار — بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہو گئے کھنڈر بھی اس در سے — برسے ہے اک خرابی گھر در سے

اکھڑے بکھرے کو اڑ ٹوٹی وصید — زلفی زنجیر ایک کہنہ جدید

خاک کے لوہے کو جیسے کھاوے پاک — چھیڑ دیجیے تو پھر زری ہے خاک

بند رکھتا ہوں در جو گھر میں ہوں — قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہ ہوں

گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور — ہے خرابی سے شہر میں مشہور

جس سے پوچھو اسے بتائے شتاب — ساری بستی میں یہ ہی تو خراب

ایک چھپر ہے شہرِ دلّی کا — جیسے روضہ ہو شیخ چلّی کا

بانس کی جا دیئے ہیں سرکنڈے — سو دے مینہوں میں سب ہوئے ٹھنڈے

گل کر بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب — پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب

مینہ میں کیوں نہ بہ گئے یکسر — پھونس بھی تو نہیں ہے چھپّر پر

واں جو ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا — یاں جو بھیگا تو واں ٹنک بیٹھا

کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا — کہیں ہانڈی کہیں ٹھیکرے لالا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں — پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

بس کہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی — کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی

کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں — کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

ہاں جھینگر تمام چاٹ گئے — بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم — ان پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے جو بنج سے کر زور — ایک گمری پہ کر رہی ہے شور

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو — کونے ہی میں کھڑا رہا یک سو

ڈیوڑھی کی یہ خوبی در ایسا — چھپّر اس جو چلے کا گھر ایسا

جنسِ اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ — پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی — چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں — سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں

کیڑا ایک ایک پھر کوڑا ہے — کھانے کو شام ہی سے دوڑا ہے

ایک چٹکی میں ایک چھنگی پر — ایک انگھوٹے پہ ایک انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا — پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں — ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیہ پہ گہ بچھونے پر — کبھی چادر کے کونے کونے پر

سلسلایا جو پائیتی کی اور — دہیں ملا کر ایڑیوں کا زور

توشک ان رگڑوں میں ہے سب پھاٹی — ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان — ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو — پائے پٹی لگائے کونے کو

سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل — آنکھ، مُنہ، ناک، کان میں کھٹمل

اک ہتیلی میں ایک گھائی میں — سینکڑوں ایک چارپائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیئے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیئے

یہ جو مارش ہوئی تو آخر کار — اس میں سنی ۳۰ سالہ وہ گری دیوار

دو طرف سے تھا کتوں کا رستہ — کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکاروں — ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز — کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
دن کو ہی دھوپ رات کو ہی اوس — خواب راحت یہاں ہے سو سو کوس
قصہ کوتہ دل اپنا کھوتا ہوں — رات کے وقت گھر میں روتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہی کاہے کا نام ہے گھر کا

میر

۳۶۔ زمستاں

جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے — اور جو تھمے ہوئے تھے وہ یخ ہو کے جم گئے
دامان کوہسار میں سورج بھی لیٹ کر — دُبکا غلاف برف میں منہ کو لپیٹ کر
سنسان جنگل اور درختوں کی سائیں سائیں — چاروں طرف پہاڑ میں ہیں دوڑتی بلائیں

طوفان برف سر پہ کھڑا ہے تُلا ہوا
ہے یہ درہ کہ موت کا منہ ہے کھلا ہوا

۲۷۔ جاڑا اور گرمی

ایک دن جاڑے نے گرمی سے کہا
میں بھی ہوں کیا خوب موسم واہ رے
ہے بجا گر کیجئے میری صفت
ہے روا گر کیجئے میری ثنا
میں جہاں میں ہوں زبس ہر دلعزیز
مانگتے ہیں میرے آنے کی دعا
میرے آنے سے نہ ہوں کیوں خرمی
کیا خنک پانی ہے کیا ٹھنڈی ہوا
چاندنی ہے بے کدورت بے غبار
آسماں ہے صاف نیلا خوشنما
رات کو گرمی کی تو کچھ ہوتی نہ تھی
دن کی محنت سب کو دیتی تھی تھکا
میری آمد نے کیا شب کو دراز
میرے آنے نے دیا دن کو گھٹا
تو مسافر کا جھلس دیتی تھی منہ
اور زمیں تلووں کو دیتی تھی جلا
اب ہوا بھی اور زمیں بھی سرد ہے
کھو دیا میں نے حرارت کا پتا
مل گئی کتنے بکھیڑوں سے نجات
ٹٹیاں موقوف پنکھا چھٹ گیا
دھوپ کا ڈر ہے نہ لو کا خوف ہے
ان دنوں کی دھوپ ہے گویا غذا
سورج اب کترا کے جاتا ہے نکل
فصل تابستاں میں تھا سر پر چڑھا
ہے حضر میں آج کل عیش و نشاط
ہے سفر بھی ان دنوں راحت فزا

میرے دم سے تندرستی بڑھ گئی
پائی مدت کے مریضوں نے شفا

ڈاکٹر صاحب کو فرصت مل گئی
اب شفاخانہ میں ہے کم جمگھٹا

ضعف معدہ کی شکایت مٹ گئی
بے دوا خود بڑھ گئی ہے اشتہا

مکھیاں بھی رہ گئی ہیں خال خال
بے تکلف اب ہے کھانے کا مزا

گرم پوشاکوں نے اب پایا رواج
میں نے بخشا آن کر خلعت نیا

سل گئے توشک لبادے اور لحاف
درزیوں نے پایا محنت کا صلہ

میرے ہوتے کون پوچھے برف کو
باسی پانی برف کا بھی ہے چچا

ندی نالوں کا گیا پانی نتھر
جھیل اور تالاب نے پائی صفا

طالبِ علم اب کریں گے کوششیں
کوششوں سے ہوگا پورا مدعا

ٹھیک وقت ان ورزشوں کا ہے یہی
تندرستی کا ہے جن سے فائدا

حاکموں نے کر دیا دورہ شروع
تا کریں درد رعایا کی دوا

جا بجا فوجیں ہوئی ہیں مجتمع
تا کہ میداں میں کریں مشق وغا

سیب، نارنگی، بہی، لیمو، انار
میوہ ہر اک قسم کا بکنے لگا

تخم ریزی جنس اعلیٰ کی ہوئی
کھیت میں بویا گیا گیہوں چنا

عید کی سی دھوم ہے دیہات میں
پک گئی دیکھو اور کھولو جل پڑا

ہے مٹھائی کی نہایت ریل پیل　چل رہی آج کل میٹھی ہوا
انس ہے محنت مشقت سے مجھے　کاہلی کو میں نہیں رکھتا روا
محنتی ہیں مجھ سے خوش میں ان سے خوش
کاہلوں کا میں نہیں ہوں آشنا
سُن کے یہ باتیں ہوئی گرمی بھی تیز　اور جل کر یوں جواب اس کو دیا
آپ اپنے مُنہ میاں مٹھو نہ بن　خودستائی عیب ہے او خودستا
اس کو ہوتا ہی نہیں حاصل کمال　جو کہ اپنے آپ کو سمجھے بڑا
باہنر تو سرکشی کرتے نہیں　بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جُھکا
تیری خودبینی ہوئی تجھ کو حجاب　خوبیوں کو میری سمجھا بدنُما
تجھ سے عالم میں خزاں کا ہے ظہور　مجھ سے ہے فصل بہاری کی بنا
تو نے شاخوں کے لئے پتے کھسوٹ　تو نے پیڑوں کو برہنہ کر دیا
میرے آنے سے پھلے پھولے شجر　سبز پوشاک ان کو کی میں نے عطا
میں نے شاخوں میں لگائے برگ و بار　ورنہ کیا تھا ان میں ایندھن کے سوا
کھیت جاڑے بھر تو کچے ہی رہے　ہاں مگر میں نے دیا ان کو پکا
تو نے رکھے تھے بخیلوں کی طرح　برف کے تودے پہاڑوں میں چھُپا

میں نے پگھلا کر کیا تقسیم اُسے
تاکہ پہنچے سب کو فیض و فائدا

خشک چشمے بھر گئے دریا چڑھے
دیکھ کے میرا کرم میری سخا

تجھ سے تھی مخلوق میں افسردگی
کون خوش تھا جز گروہِ اغنیا

میری آمد نے مساوی کر دیئے
راحت و آرام میں شاہ و گدا

کر دیا میں نے رگوں میں خوں رواں
ٹھنڈ سے شل ہو گئے تھے دست و پا

میں نے کھولے آن کر تن کے مسام
کیونکہ تھا رکنا پسینہ کا بُرا

پھینک دی اب دلق کہنہ خلق نے
غلغلہ جو میری آمد کا سُنا

رات بھر رہتی تھی خلقت گھر میں بند
کر دیا اس بند سے میں نے رہا

میں نے حکمت سے چلائیں آندھیاں
تا بدل جائے مکانوں کی ہوا

میں سمندر سے اٹھاتی ہوں بخار
جس سے چھا جاتی ہے ملکوں پر گھٹا

چہرۂ گردوں کا یہ گرد و غبار
ابر کے آنے کا دیتا ہے پتا

رات پر دن کو نہ کیوں ترجیح دوں
رات ہے تاریک دن ہے پر ضیا

ہے ہمیشہ ابتدا میری بہار
ہے سدا برسات میری انتہا

تھیں بہت دونوں کی تقریریں دراز
اور طولانی بیان ماجرا

سن کے ان دونوں کی یہ کج بحثیاں
ایک دانا نے کیا یوں فیصلا

کچھ نہیں ہے اس میں جاڑے کا قصور — کچھ نہیں ہے اس میں گرمی کی خطا
جب حقیقت پر نہیں ہوتی نظر — یوں ہی رہتا ہے بہم شکوہ گلا

ہے حرارت کی کمی بیشی فقط
ورنہ جاڑا کون اور گرمی ہے کیا

اسمٰعیل

۳۸۔ جنت فردوس

وہ سماں جنت فردوس کا وہ تیاری — بار پاتے ہیں وہی جن پہ ہو فضل باری
قلم قدرت معبود کی وہ گل کاری — نیچے گنجان درختوں کے وہ نہریں جاری

چشم مشتاق کو حاصل ہو طراوت جن سے
تجری من تحتہا الانہار عبارت جن سے

ہر طرف قدرت معبود نظر آتی ہے — راہ آفات کی مسدود نظر آتی ہے
صورت شاہد مقصود نظر آتی ہے — دھیان جس شے کا ہو موجود نظر آتی ہے

دکھ نہیں شیب نہیں گردش ایام نہیں
عیش و راحت کے سوا رنج کا واں نام نہیں

معتدل آب و ہوا فصل ہمیشہ یکساں — نہ حوادث کا تردد نہ کبھی خوف خزاں
فکر سے امن بشر کو تو مصیبت سے اماں — غنچے ہر دم متبسّم تو گل تر خنداں

خار حسرت نہیں صدمہ نہیں آزار نہیں
اس گلستاں میں جو نرگس ہے وہ بیمار نہیں

وہ زمین طرب افزا کی لطافت خیزی — کسی جا غالیہ سائی کہیں عنبر بیزی
اک طرف طرۂ سنبل کی وہ دل آویزی — سبز اشجار پہ پھولوں کی وہ رنگ آمیزی

صنعتیں پائے نظر کے لئے زنجیریں ہیں
ایک پتی ہے تو سو رنگ کی تحریریں ہیں

نزہت انگیز شجر برگ لطافت آمیز — ڈالیاں صحن میں گل ریز ہر اک گل زر بیز
خار بھی ہیں تو ادا میں مژہ حور سے تیز — سبز شاخوں پہ وہ مرغان چمن زمزمہ ریز

گہ ترانے کبھی نغمے کبھی چہکاریں ہیں
پر زمرد کے تو یاقوت کی منقاریں ہیں

باغ وہ تازہ و شاداب فضا حد سے فزوں — دیکھ کر جس کو طرب ناک ہو قلب محزوں
عمر بھر ختم نہ ہو حال فواکہ جو کہوں — نخل ہر قسم کے اور میوۂ تر گونا گوں

پھول بے تاب کہ لیں پھل کی جبیں کے بوسے
ڈالیاں جھوم کے لیتی ہیں زمیں کے بوسے

کہیں زرد آلو ہے تازہ کہیں سیب و رُماں
باعثِ تقویت و فرحتِ روحِ انساں
بعضے ان سب کے علاوہ ثمر ایسے ہیں وہاں
باغِ عالم میں کہیں جن کا نہیں نام و نشاں

بچ رہا کوئی تکلّف کا نہ پہلوان سے
پھل میں آتی ہے مگر پھول کی خوشبو ان سے

جلد سے مغز عیاں صاف لطافت ایسی
ذائقہ ذکر میں جس کے ہے حلاوت ایسی
سایہ برگ بھی ہو بار نزاکت ایسی
کو بلیں عکس سے گلنار ہوں نکہت ایسی

خوشے انجم کی فروغِ نظرِ انساں ہیں
قمقمے نور کے ہر نخل میں آویزاں ہیں

ذکر طوبےٰ کا سنو ہے وہ عظیم ایک شجر
پہنچے جس کی نہ بلندی کو کبھی مرغِ نظر
اصل اس نخل کی ہے قصرِ نبی کے اندر
شاخیں اتنی ہیں کہ جو سایہ فگن ہے گھر گھر

دیکھ کر روح کو اک تازہ مزا ملتا ہے
سبز پتوں سے بھی رحمت کا پتا ملتا ہے

برگ ہل جائیں جو تحریک ہوا سے ایک بار
زمزمے اُن سے وہ پیدا ہوں کہ جھومیں اشجار
وجد میں بلبلِ خوش لہجہ جو کھولے منقار
شعبے سو نغمۂ واحد میں ہوں اور رنگ ہزار

اس کا کیا ذکر ہے انساں کی جو کچھ حالت ہو
در و دیوار کو کُل عالمِ محویت ہو

قصر ذیجاہ محمدؐ کی وہ عظمت وہ نمود
دیکھ کر جس کو ملک عرش پہ پڑھتے ہیں درود

نور اس کے در و دیوار سے کرتا ہے صعود
منزل رحمت حق چار حدوں سے محدود

اس کی تنویر سے یوں قصر جناں روشن ہیں
جیسے خورشید سے دنیا کے مکاں روشن ہیں

حد اول ہے سوئے مسکن حیدرؑ مع در
حد ثانی کی طرف فاطمہ زہراؑ کا ہے گھر

حد ثالث میں زمرد کا مکانِ شبرؑ
قصر یاقوت ادھر ہے حد رابع ہے جدھر

ہے وہ گھر اس کا جو مظلوم مرا بھائی ہے
پنجتن کے لئے جنت میں بھی یکجائی ہے

وحید

۳۹۔ بہشتِ بریں

آراستہ بہشت بریں کے چمن جو پائے
سب کی زبان سے یہی نکلا کہ ہائے ہائے

مژدے جو بار بار شگوفوں نے کچھ سنائے
غنچوں کی طرح غنچہ دہن تن کے مسکرائے

یوں خندہ زن ہوئے چمن مرتضیٰ کے گل
ہنستے ہیں جیسے وقتِ سحر کھل کھلا کے گل

زخت زمرّدیں میں ہر ایک نخل تھا نہال	تھا خوش قدی کا اپنی ہر ایک سرو کو خیال
طاؤس وجد میں رخِ لالہ خوشی سے لال	ہر سو نسیم چلتی تھی اٹھکیلیوں کی چال

طوبیٰ تو مست یادِ الٰہی تھا اوج میں
کوثر بھی جوش مارتا تھا اپنی موج میں

ہر برگ ہاتھ اٹھا کے پکارا یہ برملا	کیا گلبدن ہیں صلِّ علیٰ آلِ مصطفےٰ
بلبل ہزار جاں سے ہوئی دیکھ کر فدا	حوریں سب آ کھڑی ہوئیں غرفوں کو کرکے وا

نرگس کے گل جما کے نظر تاکنے لگے
انگور بھی بغور ادھر تاکنے لگے

طوبیٰ کو یہ ہوا تھی کہ سائے میں میرے آئیں	ہر قصر منتظر تھا کہ تشریف ادھر کو لائیں
کوثر یہ چاہتا تھا کہ پیاس آ کے یہاں بجھائیں	مشتاق ڈالیاں تھیں کہ ان نعمتوں کو کھائیں

انجامِ عشق دلبر مشکل کشا یہ ہے
میوے تھے ذوق شوق میں طرفہ مزا یہ ہے

ہر دم سہانا وقت ہے نہ روز ہے نہ شب	کیسا ملال ہوتا ہے کیا چیز ہے تعب
پتوں کو کرتی ہے متحرک نسیم جب	سنتے ہیں ان سے نغمۂ دلکش عجب عجب

عیش و طرب کا چار طرف ساز و برگ ہے
یہاں درد ہے نہ غم نہ تغیر نہ مرگ ہے

آراستہ ہوئے ہیں تمہارے لئے یہ گھر
سب فرش ہے حریر بہشتی کا سر بسر

روشن ہے صورتِ دلِ عارف ہر ایک در
پردے ہیں مثل چادرِ مہتاب جلوہ گر

بر میں درخت پہنے ہوئے رخت نور ہیں
ایواں جواہرات کے ہیں تخت نور ہیں

ہر شے میں شانِ صنعتِ پروردگار ہے
ہر رنگ کے گلوں پہ ہمیشہ بہار ہے

گلشن کا رختِ سبز جواہر نگار ہے
شاخوں سے حسنِ دشت نگار آشکار ہے

یہاں کی زمین بھی ہے تو عنبر سرشت ہے
گویا دلہن بنا ہوا سارا بہشت ہے

ذرے پہ یہاں کے صدقے ہے دنیا کی کائنات
وہ عاریت سرا تو ہمیشہ اسے ثبات

یہ پر فضا مقام یہ حلّے یہ میوہ جات
پہنچے یہاں کہ رنج و الم سے ہوئی نجات

جو کچھ تمہارے واسطے ساماں ہیں چین کے
اے گلرخو یہ پھل ہیں دلائے حسین کے

محسن

۴۰۔ خلد بریں

وہ چمن خلد کا پر نور وہ ایک ایک مکاں سامنے جس کے ہے کم عرض ہے سارا جہاں
کوشکیں سر بفلک حجرہ و در نور فشاں وصف میں وسعتِ ہر قصر کے قاصر ہے زباں

آسماں سے نہیں کم وہاں کی زمیں کی شوکت
جس کی کرسی میں ہے سب عرش بریں کی شوکت

فرش وہ نرم خجل جس سے حریر و دیبا سقف پر نور وہ کوٹھوں کی بلندی وہ ضیا
آتے جاتے ہیں ملک کرتے ہوئے ذکرِ خدا اک طرف کرتے ہیں خدام ہر اک گھر کو صفا

کوئی زینوں سے اترتا ہے کوئی چڑھتا ہے
کوئی تسبیح کوئی صلّ علیٰ پڑھتا ہے

اوج پر سب ہیں مکاں مثل فلک ایک طرف باغ آراستہ کرتے ہیں ملک ایک طرف
حوض کوثر کی نمایاں ہے چمک ایک طرف سلسبیل اپنی دکھاتی ہے جھلک ایک طرف

کہیں تسنیم کہیں نہر لبن جاری ہے
مشک اور عنبرِ سارا کی زمیں ساری ہے

وہ فضا اور وہ ہر رنگ کے پھولوں کی بہار روشیں پاک و مصفا وہ نہالوں کی قطار

اس طرف سیب کے پودے تو ادھر نخلِ انار
نرم وہ ڈالیاں وہ جلوہ نما برگ و بار

لعل و یاقوت سے رنگت میں فزوں ہر پھل ہے
صاف آویزہ زمرد کا ہر اک کو پل ہے

جا بجا ڈالیوں پہ مرغِ چمن چہچہہ زن
زمزمے کرتے ہیں جب جھومتے ہیں نخلِ چمن
اڑتے ہیں کھول کے پر جب وہ میانِ گلشن
یا علیؑ منہ سے نکلتا ہے خوشا صوتِ حسن

چوٹیاں سر پہ ہیں یا نور کی دستاریں ہیں
نیچے ہیرے کے ہیں یاقوت کی منقاریں ہیں

جمع ہیں نعمت الوانِ کریم ایک طرف
عنبر افشاں ہیں گلِ باغِ نعیم ایک طرف
جھومتی پھرتی ہے گلشن میں نسیم ایک طرف
تازے پھولوں کی ہے کثرت سے شمیم ایک طرف

مشک آگین و معطر وہ جگہ ساری ہے
جس طرف دیکھو نئے حسن کی تیاری ہے

نفیس

۴۱۔ بزم قدرت میں کسی کی آمد

بس کہ نزدیک ہے اس باغ میں حضرت کا ورود　　　غنچے لب کھول رہے ہیں پئے شکرِ معبود
نغمہ سنجی کے عوض بلبلیں پڑھتی ہیں درود　　　رُخِ رنگیں سے ہر اک گل کی بشاشت ہے نمود

شاد ہو کر کوئی طائر جو چہک جاتا ہے
چونک کر سبزۂ خوابیدہ لہک جاتا ہے

خبرِ آمدِ سرور سے خوشی ہے جو کمال　　　سب کو خواہش ہے کہ بڑھ جائیں پئے استقبال
سرِ دیا بند جگہ کے جو ہیں بڑھنا ہے محال　　　سب سے اونچے ہیں کہ آ جائے نظر ہم کو جمال

نخل خود رفتہ ہیں حضرت کی زیارت کیلئے
ہاتھ پھیلائے ہیں سب ڈالیاں بیعت کیلئے

ہیں گل سرخ بھی بے تاب بہت بہرِ جناب　　　پر یہ کانٹوں میں پھنسے ہیں کہ نہیں بڑھنے کی تاب
زور جب کر کے چھٹاتے ہیں کہ راہی ہوں شتاب　　　یوں کشش ہوتی ہے تن پر کہ ٹپکتا ہے گلاب

گلِ نرگس جو نہیں شاخ سے بڑھ سکتے ہیں
چشمِ مشتاق بنے در کی طرف تکتے ہیں

منتظر کب سے کھڑے ہیں شجرِ باغِ نعیم　　　کہیں تھمتی نہیں اک لحظہ تردد میں نسیم

راہ تک تک کے قلق دل پہ جو ہوتا ہے عظیم
دامنِ گل سے نکل جاتی ہے گھبرا کے شمیم

یادِ حضرت کی جو ہر مرتبہ تڑپاتی ہے
بے قراری میں صبا جاتی ہے اور آتی ہے

شوق دیدار میں ہوتا ہے جو دل بے قابو
سرو پر چڑھ کے نظر کرتی ہے قمری ہر سو
نظر آتا نہیں جب جلوۂ شاہِ خوش خو
ہوش اڑ جاتے ہیں کہتی ہے پھڑک کر کو کو

دیر ہو جانے سے طاؤس جو گھبراتے ہیں
در پہ ہر بار ٹہلتے ہوئے آجاتے ہیں

جو ثمر ہیں انھیں دم بھر نہیں شاخوں پہ قرار
آرزو یہ ہے کہ ہو جلد میسّر دیدار
دانت کھولے ہوئے کرتے ہیں دعا حق سے انار
سیب رُ دھنتے ہیں حسرت میں تڑپ کر ہر بار

دم بدم جھوم کے بڑھتے ہیں یہ مجبور بھی ہیں
آپ داخل ہوں اسی تاک میں انگور بھی ہیں

جتنی نہریں ہیں انھیں بھی ہے عجب طرح کا جوش
اُبلی پڑتی ہیں دلائیں سر دیا کا نہیں ہوش
دم بدم مضطر و بیتاب ہیں اور لب پہ خروش
منتظر یہ ہیں کہ آپ آکے کریں پانی نوش

مضطرب شوق میں ان سب سے سوا ہے کوثر
ہمہ تن چشم حبابوں سے بنا ہے کوثر

مچھلیاں بسکہ تمنا میں تڑپتی ہیں کمال
پھرتی ہیں اُبھری ہوئی پانی پہ موجوں کی مثال

رُخ اسی سمت کو ہے اور دلوں میں یہ خیال
دُور سے دیکھ لیں ہم پہلے محمدؐ کا جمال

غل ہے جو رحمتِ غفار ہے وہ آتا ہے
عاصیوں کا جو مددگار ہے وہ آتا ہے

وحید

۴۲۔ انقلابِ زمین

زمین سخت کو اشجار پھاڑ کر نکلے
ہزار رنگ کے برگ و گل و ثمر نکلے
لگا کے بحر میں غوطے حباب ابھر نکلے
صدف کے منہ سے چمکتے ہوئے گہر نکلے
زمیں نے پاؤں یہ پھیلائے آسماں سر کے
اُٹھے پہاڑ جواہر سے جھولیاں بھر کے

مرزا محمد جعفر اوج

۴۳- کوہ ہمالیہ

ہے ہمالہ پہاڑ سر جبون | جس کے اوپر تلے کھڑا ہے بن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن | سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
ہے ہر اک ڈھانگ اس کی پھلواری | سبز چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خودرو ہے اور اس کے پاس | لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے | پیڑ باہم کھڑے ہوئے ہیں ملے
کہیں بن مالتا کہیں بیلا | کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے | سورماؤں کا بن کے دنگل ہے
سرو شمشاد ہیں قطار قطار | ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور | ایک ہی جست میں وہ پہنچے دور
ہیں ترائی میں ہاتھیوں کے غول | کوئی پائل ہے اور کوئی نجھول
شیر خونخوار شاہ ہے یاں کا | پاڑے چیتل کو خوف ہی جاں کا
بارہ سنگھے غریب پر ہے لتاڑ | سینگ ہیں اس کی جھاڑ اور جھنکاڑ
وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر | واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر

کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے — پھر ہمالہ پہ آ کے چڑھتا ہے

کبھی دیتا ہے باندھ مینھ کا تار — کبھی کرتا ہے برف کی بھرمار

جا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی — کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی

واں سے چشمے بہت اُبل نکلے — ندی نالے وہاں سے چل نکلے

سندھ و ستلج ہیں مغربی دریا — اور پورب میں یمنا گنگا

ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں — جن میں بہتا ہے پانی الغاروں

پس سمندر سے جو رسد آئی — یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی

ہوا سرسبز ہند کا میداں — تری حکمت کے اے خدا قرباں

ہند کی سرزمین ہے اُن ماتا — اور ہمالہ پہاڑ جل داتا

اے ہمالہ پہاڑ تیری شان — دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان

ساری دنیا میں ہے تو ہی بالا — پہنچے جب پاس دیکھنے والا

سامنے اک یاہ دل بادل — دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل

گھاٹیاں جن میں گونجتی ہے صدا — آبشاروں کا شور ہے برپا

دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے — گویا میدان کو ڈراتا ہے

ہے مرے دل میں یہ خیال آتا — کاش چوٹی پہ تیری چڑھ جاتا

واں سے نیچے کا دیکھتا میداں | جن میں گنگ و جمن ہیں تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آئیں | دائیں بائیں کو صاف لہرائیں
اس تماشے سے جب کہ جی بھرتا | تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھتا بہار بڑی | گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی

پھر وطن میں جب آن کر رہتا
دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

اسمعیل

۴۴۔ کوہستان کا نظّارہ

ہاں مبارک تجھے اے دید کی مشتاق نظر | ایک باغ گل نظارہ ہے شملہ کا سفر
قلّۂ کوہ جو ابھرا ہے تو اک شان کیساتھ | کھڈ جو گہرائی میں اُترا ہے تو اک آن کیساتھ
چوٹیوں اور کھڈوں پہ جو ذرا کیجے نظر | اور روئیدگی کا دیکھئے منظر یہ اثر
سبزہ ہی سبزہ ہر اک سمت نظر آتا ہے | ایک دریائے زمرد ہے کہ لہراتا ہے
صفحۂ دلکش کہسار عجب گلشن ہے | سبزۂ و گل سے جو قلّہ ہے سو اک خرمن ہے
نخلبند چمن دہر ہے مالی اس کا | گل سے رہتا نہیں دامن کبھی خالی اس کا

یاں جو پودا ہے سو ہے سرو کی صورت آزاد　　خوشنوایانِ چمن کو نہیں خوفِ صیاد

پھول اک طرزِ دلاویز سے کھلتے ہیں یہاں　　شجر اک جنبشِ مستانہ سے ہلتے ہیں یہاں

پہنی ہیں پھولوں نے خوش رنگ قبائیں کیا کیا　　دل لبھاتی ہیں پرندوں کی صدائیں کیا کیا

دیکھنا اڑتی ہوئی تیتریوں کا انداز　　گویا قدرت نے عطا کی ہے گلوں کو پرواز

کس قدر حسن بکھیرا ہے یہاں قدرت نے　　کیا ویرانے کو فردوس نشاں قدرت نے

دیکھیے! سامنے اک کھڈ سے وہ بادل اٹھا　　اک علم نور کا آکاس میں لہرانے لگا

اے لو! وہ اور بھی کچھ ابر کے پارے آئے　　سینکڑوں رنگ سے جوبن کو نکھارے آئے

نہیں بادل کے یہ ٹکڑے یہ ہیں چنچل پریاں　　محوِ سیر کرۂ باد میں رقصاں رقصاں

ان میں یہ ناز یہ چھل بل یہ ادا یہ گھاتیں　　بادلوں کو کہیں آتی ہیں بھلا یہ باتیں

نیلی پوشاک کسی کی ہے کسی کی ہے ہری　　کوئی مٹیالی پری ہے تو کوئی سرخ پری

کیسی اٹھکھیلیاں کرتی ہیں ہوا سے دیکھو!　　ناچتی پھرتی ہیں کیا پیاری ادا سے دیکھو!

اے لو! سب چھپ گئیں دامن میں گھٹا کے پریاں　　ہو گئے بارشِ باراں کے مہیا ساماں

لو برسنے کو ہے پانی وہ گھٹائیں آئیں　　مینہ کا پیغام لیے ٹھنڈی ہوائیں آئیں

ابر نے ڈھانپ لیے سب شجر و کوہ و زمیں　　گویا جز ابر کے دنیا میں کوئی چیز نہیں

رعد نے آ کے جو احکام میں کچھ تیزی کی　　وہ لگی دینے گھٹا داد گہرریزی کی!

کھل گیا ابر فلک صاف نظر آنے لگا
نیلگوں حسن کی نیرنگیاں دکھلانے لگا

واہ یہ صاف یہ شفاف یہ گہری نیلک
نہ زمرد میں یہ رنگت نہ یہ نیلم میں دمک

دیکھتا ہے اسے انسان تو کیا سوجھتی ہے
طائر روح کو پرواز فضا سوجھتی ہے

سامنے دور افق تک جو نظر جاتی ہے
دُھر تلک کوہ کی نیلک ہی نظر آتی ہے

نظر آتا ہے افق میں جو ذرا ابر سفید
شوق نظارہ طلب کو ہے سحر گاہِ امید

ایک جھلک حسنِ ازل کی سی دکھا جاتا ہے
دل کو مشتاق رُخِ یار بنا جاتا ہے

آبشاروں کا سر کوہ طرب خیز وہ شور
ہائے وہ نغمۂ مستانہ وہ رفتار وہ زور!

ندیاں دودھ کی بہتی ہیں یہاں بے محنت
دیکھے فرہاد تو حسرت سے کہے "یا قسمت"

بحر کی تہ میں کوئی ہوگا بڑا مروارید
آبشاروں کو جو دیکھو تو ہمہ مروارید

آتی وہ دور سے مستانہ جھنجھوٹی کی صدا
گونج بھی ساتھ بیانو ہے بجاتی اپنا

آہ موسیقیٔ جاں بخش! اجہاں سوز آہنگ!
تیری تاثیر سے ذی روح بنا تو وہ سنگ

گونج گیا ہے یہ ہی کہسار کی پر درد صدا
اثر نغمہ سے ہے وجد میں پتھر گاتا

ہائے اس حسن کے مسکن میں بھی آفت ہے وہی
اس گلستاں میں بھی انساں کی مصیبت ہے وہی

پیش ہر وقت وہی پیٹ کا دھندا اس کو
جبر حالات کا ہر دم وہی رونا اس کو

وہی محنت وہی ذلت ہے مقدر اس کا
وہی حرماں وہی حسرت ہی مقدر اس کا

ورنہ یہ عرصۂ کہسار عجب منظر ہے! دل کو فرصت ہو تو پوجا کو عجب مندر ہے

ذرّے ذرّے میں یہاں ہی نظر آتا موہن

نت نئے روپ میں درشن ہے دکھاتا موہن

نیرنگ

۵ ہم۔ شملہ

اقبال اک برس جو مرا تاج سر ہوا
شملہ میں مجھ کو موسم سرما بسر ہوا

اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا
گھر سے نکل کے آگے ٹہلتا چلا گیا

گھر گھر اجالے تھے سر دیوار سامنے
در وہ داروں سے چراغ نمودار سامنے

خوشحال گھر اور ان میں خوشی بولتی ہوئی
باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی

تھے ہر طرف سے جاڑے کے ساماں پکارتے
تارے بھی اک کنارے سے آنکھ مارتے

کیا جانے ہم نکل کے کدھر کے کدھر گئے
دیکھا کہ جاڑے زور سے اپنے اتر گئے

موسم بھی معتدل ہی ہوا ہے لہک گئی
خوشبو کا ہی یہ حال کہ دنیا مہک گئی

اور جانور ہیں رات کے آواز دے رہے
مل جل کے ساتھ جیسے ہوں مساز دے رہے

پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آ رہیں
جو زیر و بم کے دور سے ہیں سر ملا رہیں

ناگہ فلک پہ دامن شب چاک ہو گیا
لبریز نور سے طبق خاک ہو گیا

منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا
گلگونہ رے کے سامنے رنگ شفق ہوا

روئے سحر پہ شان تھی نور و ظہور کی
چاروں طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی

وہ گہری سبزیوں پہ گل تر کی لالیاں
اور اُس سے بھری ہوئی پھولوں کی پیالیاں

وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا
اور جھوم جھوم کر وہ رخِ گل کا چومنا

سبزی جو روئے خاک پہ مخمل بچھا گئی
شبنم بھی آ کے رات کو موتی لٹا گئی

پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھاس پہ لہرا کے جاتے تھے

آزاد

۴۶۔ نیلگری کی سیر

مجھ کو کششِ جمالِ قدرت
لائی جو وطن سے سوئے غربت

کی سیر ہر ایک گلستاں کی
دیکھی رنگینی اک جہاں کی

دولت یہ مگر کہیں نہ پائی
جو نیلگری میں ہاتھ آئی

کب آئی نظر عروسِ قدرت
بے پردہ اور اتنی خوبصورت

کونور۔ ولنگٹن اور اوٹی
میں نے سب کی بہار لوٹی

کہسار حریفِ صد چمن ہے ۔۔۔ جو پیڑ ہے سرو قد دلہن ہے
ہے سبز درخت کی جو کونپل ۔۔۔ ہر پنکھڑی اس کی سرخ مخمل
پوشاک ہری ہے لال زیور ۔۔۔ اطلس پہ ٹکی ہے سرخ جھالر
آتا نہیں کچھ سمجھ میں اپنی ۔۔۔ کہیئے انھیں پھول یا کہ پتی
جنگل میں اک آگ سی لگی ہے ۔۔۔ ٹھنڈک بھی مگر یہ آنکھ کی ہے

نیچے جنگل میں جھاڑیاں ہیں ۔۔۔ اوپر نیچے پہاڑیاں ہیں
چوٹی پہ کہیں کہیں ہیں جنگل ۔۔۔ ہر پیڑ ہے جس میں دیو ہیکل
ہے چیڑ کہیں کہیں صنوبر ۔۔۔ ایک ایک سے راستی میں بڑھکر
شمشاد۔ دیار۔ یوکلپٹس ۔۔۔ ہیں زن کو فرشتے شب کو راکس
موٹے موٹے بڑے بڑے ہیں ۔۔۔ عفریت کی طرح سب کھڑے ہیں

ہے سوئے فلک ہر اک کا میلان

ان سے پیدا پہاڑ کی شان

ہے نغمہ طیور کا وہ دل کش ۔۔۔ سب کرتے ہیں جس کو سن کے عش عش

پیڑوں پہ یہ کیا پھدک رہے ہیں سرمست ہیں اور چہک رہے ہیں
کیا ناچ رہے ہیں گا رہے ہیں بس پھولے نہیں سما رہے ہیں
ظاہر ہے کہ ان کا ننھا سا دل ہر رسِ غم و طرب کے قابل

رکھتے ہیں غرض ضمیر یہ بھی
ہوتے ہیں اثر پذیر یہ بھی

نالے دن رات چل رہے ہیں چشمے سیماب اگل رہے ہیں
بچوں کی طرح بجھڑ رہے ہیں موتی آنکھوں سے جھڑ رہے ہیں
پانی ہی چٹانوں سے نکلتا غُل شور مچاتا اور مچلتا
چلنے سے کبھی نہیں یہ تھکتا رستے سے کبھی نہیں بھٹکتا
ٹھوکر پہ یہ کھا رہا ہے ٹھوکر جُز شوق کوئی نہیں ہے رہبر
طے کر کے پہاڑ اور صحرا کترا کے چٹان اور ٹیلا
رہتا ہے پہونچ کے تا بمنزل مانع نہیں اس کو کوئی مشکل
گر پڑ کے یوں ہی ہر ایک نالا ہو جاتا ہے ہم کنارِ دریا
کس زور سے نالا بہ رہا ہے کچھ اپنی زبان میں کہ رہا ہے
گر ہو طلب کمال تجھ کو گر کچھ ہو سر مآل تجھ کو

مقصود اگر ہو کامرانی   کر میری طرح کلیجہ پانی
یوں چھاتی پہ تو بھی رکھ لے پتھر   ٹکرا یوں ہی کوہ و دشت سے سر
جنگل ہو پہاڑ ہو کہ صحرا   رہ دشت طلب میں جادہ پیما

مستی ہو جنوں ہو ہوش کے ساتھ
توفیق عمل ہو جوش کے ساتھ

ہے کتنا بلند ڈوڈابیٹا!   تا چرخ ہے جس کا ڈنڈا اینڈا
اس نے تو حقیقتاً ملائے   قلابے زمین و آسمان کے
اونچا کوئی نو ہزار فٹ ہے   آتی ہے نظر یہاں سے ہر شے
ندی۔ وادی۔ پہاڑ۔ میداں   معمورہ، خرابہ اور بیاباں
سب سر بفلک جبل یہاں سے   دیتے ہیں دکھائی صرف ٹیلے
چھوٹا بڑا ادنےٰ اور اعلےٰ   باقی نہیں ان میں فرق اصلا
ارزل ہو کہ اشرف الخلائق   ادنےٰ ہے نہ وہ۔ نہ یہ ہے فائق
کثرت کا یہ دیکھ کر تماشا   ہو جاتی ہے خیرہ چشم بینا
رہتی نہیں وقعت اپنی حاشا   اک گھاس کی پتی سے زیادہ
لو اٹھے وہ وادیوں سے بادل   اور چھا گئے اُن کے چار سو دل

بادل ہیں کہ ہیں یہ بحرِ زخار ٹاپو سا بنا ہوا ہے کہسار!

ہے سارا جہاں نظر سے غائب مغلوب ہیں سب اور ابر غالب

قدرت کا غرض ہر ایک ذرّہ ہے چشمِ خرد کے حق میں پردہ

اب ابر نیا یہ روپ لایا ہے دھوپ کہیں کہیں ہے سایہ

تاریک کہیں، کہیں اُجالا ابلق ہے پہاڑ اب سراپا

یعنی کہ ہیں روز و شب ہم آغوش

ہیں ساری عداوتیں فراموش

دامن پہ بچھی ہے سبز مخمل اور چوٹی پہ کھیلتے ہیں بادل

اک دوسرے کو یہ ریلتے ہیں یا آنکھ مچولی کھیلتے ہیں

یہ نچلے ہیں تیز رو بلا کے جب دیکھو ہیں گھوڑے پہ ہوا کے

چوٹی پہ کبھی ہیں جا دھمکتے دامن میں کبھی ہیں آ دبکتے

پیچھے سے پہاڑیوں کے جھانکیں چپکے سے ہمیں یہ آکے ڈھانکیں

بچوں کی طرح کبھی یہ مچلیں ہر وقت نیا یہ رنگ بدلیں

اُجلے۔ نیلے۔ کبھی ہیں کالے یہ روئی کے نرم نرم گالے

ہے سخت مزاج میں تلوّن چڑھ جائے ابھی کچھ اور اگر دُھن

بن جائیں یہ بھولے بھولے بادل
متوالے سیاہ مست پاگل

ہیں کف بہ دہن گرج رہے ہیں
یا طبل فلک پہ بج رہے ہیں

اقلیمِ زمیں پہ آسماں کی
ہوگی کوئی دم میں اب چڑھائی

وہ دینے لگی سنائی جھنکار
چلنے لگی بجلیوں کی تلوار

باڑیں بارش کی چل رہی ہیں
توپیں موتی اگل رہی ہیں

یہ رعد، یہ برق اور بارش
دراصل ہے جنگ کی نمائش

یہ جنگ وجدل ہے کھیل گویا
ہے ان کا بگاڑ میل گویا

رشتہ ہے زمین وآسماں میں
کچھ باتیں ہیں حال کی زباں میں

یہ ابر نہیں پیامبر ہیں
اور وجہ وصال ہم دگر ہیں

ہے ارض وسما میں سازان سے
مخفی نہیں کوئی راز ان سے

اقلیم وزمیں وآسماں میں
ہیں ایک سفیر درمیاں میں

ہے صلح صلاح ان کے دم سے
عالم میں ہے فلاح انکے دم سے

یہ تفرقہ بلند وپستی
سچ پوچھو تو ہے فریب ہستی

سمجھے ہوئے ہیں جنھیں ہم اضداد
رکھتے نہیں خارجی وہ بنیاد

ہے پست وبلند کہنے کی بات
بے اصل ہیں سارے اختلافات

ہے زیر کوئی کوئی نہ بالا
بالا ہے فقط خدا تعالیٰ

مسلم

۴۷۔ دیرہ دون کی سیر

یہیں بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون
عجیب خطّہ دلکش ہے شہر دیرہ دون
تمام شہر ہے گرد و غبار سے خالی
جدھر نگاہ اُٹھے اُس طرف ہی ہریالی
گھنے درخت ہری جھاڑیاں زمیں شاداب
لطیف سرد ہوا پاک و صاف چشمۂ آب
طلسم حُسن کا ہے بیچ میں یہ گلدستہ
کھڑے ہیں کوہ شجر پہلوؤں میں صف بستہ

یہاں جو آکے مسافر قیام کرتے ہیں
یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

جو دور جائیے بستی سے لے دری ہی سماں
یہ سوچتا ہی پہاڑوں کو دیکھ کر انساں
بشر پہ رعب یہ قدرت کا چھا گیا کیسا
یہ بل زمیں کی تیوری پہ آگیا کیسا
بس ایک عالم ہو چار سمت طاری ہے
نہ شور شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے
فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے
بشر کی روح کو راحت کی نیند آتی ہے

اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دلگیر شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر
یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہیں یہ صرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں
وہی سُنے گا اسے دلگداز ہے جس کا ہو دل میں سوز تو رگ رگ میں ساز ہو جس کا

یہ راگ مجھ میں سمایا سرور مے ہو کر
ہوس تھی روح کو مل جائے اس میں لے ہو کر

چکبست

۴۸۔ سیر کشمیر

سبزۂ و نسرین و گل کی سرزمیں کہئے اسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلد بریں کہئے اسے

فی المثل تختہ زمرد کا ہے واں اک سبزہ زار سایۂ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اس پر چنار
جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ ای باغ نسیم باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
ان کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گی پار

روزِ روشن میں جب ان کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اس کے پھر کوئی دیکھے بہار

جنّت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں

ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں بہر مکیں

ان مکانوں اور رہیا بانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہی

یعنی اقلیم ابد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں

طرفہ سنّاٹا ہے اس سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دل نشین

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

حالی

۲۹- شیلانگ اور کلکتہ

رخصت اے شیلانگ اے رشکِ گلستانِ ارم
کر چکے تیری فضائے جاں فزا کی سیر ہم

اب کہاں دیکھیں گے تیرے آبشاروں کی بہار
کر سکیں گے اب نظارے کب ترے چشموں کے ہم

ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوائیں اب کہاں ہوں گی نصیب
اب کہاں ہو گی میسر یہ نسیم صبح دم

اب کہاں گرمی کے موسم میں یہ سردی کی بہار
لوٹ کر آ جائے جس سے جسم میں مردے کے دم

اب کہاں مرغانِ خوش الحاں کے دلکش چہچہے
جن کو سُن کر دل سے ہو جاتے تھے سب رنج و الم

اب نظر ہر دم نہ آئے یہ رت برسات کی
اب نہ دیکھیں گے برستا رات دن ابرِ کرم

گو جدا شیلانگ سے ہم ہو رہے ہیں ای نشاط
چھوڑ جاتے ہیں مگر دل کو یہیں اب اپنے ہم

مرتے دم تک دل سے یہ باتیں نہ جائیں گی کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

تجھ سے رخصت ہو کے اے شیلانگ جاتے ہیں جہاں
شہر ہے بے مثل اس میں ہے نہیں کچھ این و آں

لیکن ان کی نظروں میں جچتا ہے کوئی اور کب
کھپ گیا ہو جن کی آنکھوں میں فقط تیرا سماں
گو فلک سے ٹکریں کھاتے ہیں اس کے قصر و بام
چوٹیوں کو تیری پا سکتے ہیں وہ لیکن کہاں
نعمتیں دنیا کی گو اس میں مہیا ہیں تمام
لیکن آئیں گی کہاں یہ قدرتی دلچسپیاں
گو وہاں ہیں ڈھیر میووں کے کہاں لیکن یہ بات
لطف دیتی ہیں جو پیڑوں پر تری نارنگیاں
گرد گرمی میں وہاں برسات کیچڑ کا زور
رستہ چلنا بھی تو ہو جاتا ہے راہ ہفتخواں
دھوپ ایسی تیز پڑتی ہے کہ کالے ہوں ہرن
رہتی ہیں جاری پسینہ کی بدن سے ندیاں
اس غضب کی پیاس لگتی ہے کہ بجھتی ہی نہیں
چاہے پانی کا بنا لے پیٹ میں کوئی کنواں
ہیضے صاحب کا بھی ہوتا ہے وہاں اکثر نزول
نذر جن کی سیکڑوں ہو جاتے ہیں پیر و جواں

اتفاقاً آ نکلتے ہیں کبھی مسٹر پلیگ
جن کی صورت دیکھ کر اٹھتا ہے شورِ الاماں

اٹھتے رہتے ہیں ہمیشہ فتنہ و شر و فساد
آتی رہتی ہے ہر دم اک بلائے ناگہاں

اس قدر قانون کی پابندیوں کا ہے خیال
پاؤں میں انسان کے پڑتی ہیں گویا بیڑیاں

راحتیں تھوڑی اگر ہم کو میسّر ہو بھی جائیں
پائیں گے شیلانگ تیری سی کہاں آزادیاں

گو یہ تکلیفیں ہیں کلکتہ کی سب پیشِ نظر
ہیں مگر مجبور کر سکتے نہیں کچھ ایں و آں

وقتِ رخصت گو نہیں اٹھتے اٹھائے سے قدم
ہو رہے ہیں پیٹ کی خاطر یہاں سے ہم رواں

گو جدا ہوتا ہے تجھ سے زندگی بھر کو نشاطؔ
نام تیرا ہی رہے گا عمر بھر وردِ زباں

مرتے دم تک دل سے جائیں گی نہ یہ باتیں کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

۵۰۔ دھرتی ماتا

یاد ہے مجھ کو جب میں چڑھ کر ‏ ایک پہاڑی کی چوٹی پر
شاخ پہ ایک درخت کے بیٹھا ‏ کرتا تھا میں تیرا نظارا
کوسوں تک وہ تیرا سبزہ ‏ دھانی ۔ ماشی ۔ کاہی بھورا
کوسوں تک وہ تیرے میداں ‏ ستھرے صاف چٹیلے میداں
چھٹکی چھٹکی جھاڑیاں اس پر ‏ قدرت کی گلکاریاں اس پر
تال ۔ تلیاں ۔ دریا ۔ ریتی ‏ باغ ۔ چمن ۔ آبادی کھیتی
ایسے تھے سب میری نظر میں ‏ پائیں باغ ہو جیسے گھر میں
جب میں یہ سب دیکھ رہا تھا ‏ خوش تھا دل اور یہ کہتا تھا
حدِ نظر کو اور بڑھاؤں ‏ ایسی بلندی پر چڑھ جاؤں
ایسی چوٹی پر جا بیٹھوں میں ‏ صاف جہاں سے دیکھ سکوں میں
شہر اور صوبے گاؤں اور قصبے ‏ بکھرے بکھرے چھٹکے چھٹکے
سارا قدرت کا فرنیچر ‏ میرے آگے آئے سمٹ کر
ساری انسانی آبادی ‏ یعنی دنیا کی آبادی

میرے آگے کھیل رہی ہو روتی گاتی اور ہنستی ہو
اس محویت میں جب میں تھا مجھ کو ہوا معلوم کہ گویا
کوئی مجھ کو کھینچ رہا ہے
چونک پڑا میں کون ہر کیا ہے

نادر کاکوروی

۵۱۔ جنگل

گرد جنگل بیچ جنگل میں فضا ہے باغ کی دیکھ لیں جنگل کو پھر دل کو ہوا ہی باغ کی
پیڑ کچھ چھوٹے ادھر ہیں، کچھ بڑے ہیں اس طرف کچھ ادھر لیٹے ہوئے ہیں کچھ کھڑے ہیں اس طرف
کچھ ہیں ٹیڑھے کچھ ہیں سیدھے کچھ ہیں بل کھائے ہوئے اُن کا سایہ ہر طرف دامن ہیں پھیلائے ہوئے
پتلی پتلی ان کی شاخیں جن میں پتے جن میں پھول وہ ہی ساکھو، وہ ہی شیشم وہ ہی نسا وہ ببول
کیا لبھاتی ہے نظارے کو ببولوں کی بہار پتیاں سبز اور ان میں زرد پھولوں کی بہار
مختلف شکلوں کے طائر مختلف رنگوں کے پر کچھ زمیں پر چن رہی ہیں کچھ ہیں بالائے شجر
چلتے پھرتے ہیں زمیں پر مور طنازی کے ساتھ بلبلیں شاخوں پہ گاتی ہیں خوش آوازی کے ساتھ
ابلقہ کچھ پر سیاہ اس کے ہیں اور کچھ پر سپید لال جن کے سرخ پر ہیں اور خال اُن پر سپید

نغمہ پیرا شاخ پر شاما کہیں دہیسر کہیں | طوطی خوش لہجہ بیٹھا ہے پھلائے پر کہیں

غل سے میناؤں میں لڑتی بھی ہیں چلاتی بھی ہیں | گھاس سے کیڑوں کو وہ چنتی بھی ہیں کھاتی بھی ہیں

قمریوں کا رنگ خاکی، طوق کالے، پاؤں لال | پھرتی ہیں ٹانگوں کو چکنائی پوپیاں خوش جمال

وہ ہے اس شیشم پہ کوا جس کا ہر انداز بد | سر سے پاؤں تک ہے کالا رنگ بد آواز بد

جا بجا سبزہ زمیں پر، جا بجا خالی زمین | دھوپ سے زرد اور سائے سے کہیں کالی زمیں

جا بجا خوش رنگ بوٹے جا بجا بیلوں کے جال | پھول جس میں کاسنی اودے، گلابی زرد لال

اس طرف دیکھو نشیب اور اس طرف دیکھو فراز | دوب ایسی سبز جس کے رنگ پر فطرت کو ناز

خشک پتے جن کو پیڑوں سے گراتی ہے ہوا | ان کو ٹکرا کر بہم جھانجھیں بجاتی ہے ہوا

مائل جنبش ہیں شاخیں بھی ثمر بھی ہر طرف | ہلتے ہیں پھیلے ہوئے ہاتھ اور سر بھی ہر طرف

دن ہی کو پیڑوں کے سائے سے اندھیرا ہے کہیں | جھاڑیوں نے پھیل کر پیڑوں کو گھیرا ہے کہیں

مل گئیں جب صنعتیں فطرت کی اور انسان کی | تب ہوئیں پیدا زمیں پر خوبیاں اس شان کی

پتھر اور مٹی سے کیا ٹیلے بنائے خوش نما | پھر پہاڑی پیڑ ٹیلوں پہ لگائے خوش نما

لوگ اس صنعت کو سیکھ آئے پہاڑی ملک سے | لاد کر مٹی کو بھی لائے پہاڑی ملک سے

کوہ کی شان آ ملی سطح زمیں کی شان سے | سنگ کوہ و دشت کا پیدا ہوا میدان سے

چار پائے جانور چھوٹے ہوئے پالے ہوئے | چر کے کچھ بیٹھے ہیں چپکے گردنیں ڈالے ہوئے

چر رہے ہیں وہ ہرن وہ ہیں چکارے دیکھنا
وہ اُدھر چیتل ہیں چشمے کے کنارے دیکھنا

سینگ سا مرو چیتل اور بارہ سنگھے کی شاخیں جن میں چند
خوشنما یہ سب مگر نیل ان سے ہے قد میں بلند

پاکے آہٹ جھاڑیوں میں ہو گئے تیتر نہاں
رہتے ہیں خرگوش مارے خوف کے دن بھر نہاں

آرہی ہے کس بلندی سے صدائے نغمہ زا
زمزمے چنڈول کے لاتی ہے کانوں تک ہوا

آپڑا پاشا تلوری پر وہ کندے جوڑ کر
کیا میں غل کردوں کہ یہ اُڑ جائے اس کو چھوڑ کر

لیکن اس کی تو غذا ہے یہ اسے کھانے بھی دو
مُنہ سے لقمہ کون چھینے چپ رہو جانے بھی دو

وہ تو پنجوں میں دبا کر لے گیا اس کو کہیں
اور چڑیاں بھی ہیں گم، یا چھپ رہیں یا اڑ گئیں

نغمہ زا چڑیاں گئیں۔ شیشم پہ ہے صرف ایک زاغ
اب تو اس جنگل سے چل کر شوق دیکھو سیر باغ

شوق قدوائی

۵۲- صحرا

سہانا سہانا وہ صحرا ادہر
کہ کوسوں نہ انسان آئے نظر

وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ جنگل کی دھوپ
وہ سبزی میں اک کوڑیالی یہ روپ

وہ گلہائے خوشبوئے صحرا تمام
کہ خوش ہوں جسے دیکھ کر خاص و عام

وہ چلکر کسی جا پہ کچھ آب کے — وہ چرتے ہوئے جوڑے سرخاب کے

وہ اک سمت پھرتے تھے سارس کے [جفت] — جو ہوئے شکاری پکڑ لائے مُفت

درختوں پہ صحرا کے بیٹھے ہوئے طیور — پر و بال سے جن کے بڑھتا تھا نور

صدائیں عجب تھیں عجب شور تھے — پپیہے کہیں تھے کہیں مور تھے

وہ جھاڑی ہر اک جا نئے ڈھنگ کی — وہ صحرا کی بوٹی نئے رنگ کی

وہ جھڑ بیریوں کے ہر اک جا پہ جھاڑ — کسی جا خزاں اور کسی جا بہار

کسی جا پہ تال اور کسی جا پہ گاؤں — کسی جا پہ ٹھنڈے ببولوں کی چھاؤں

کسی جا پہ بن مالتی کے شجر — کہ جس بو سے تھے مست سب جانور

کہیں چیتے پاڑے چکارے ہرن — بھرا جانور ہائے صحرا سے بن

کہیں بھیڑیے اور کہیں کچھ شغال — کہیں گینڈے جنگلی بناتے ہیں ڈھال

کسی جا پہ چرتے ہوئے فیل مست
کہ ہوں کوہ جن کی بلندی سے پست

مرزا شوق

۵۳ - بن

کسو ایسے بن سے نکلنا ہوا — کہ کوسوں تلک اس میں چلنا ہوا

کشیدہ قد اس بن کے سارے درخت — چمن کے سے نوبادگاں سبز بخت

برابر برابر کھڑے سر بسر — پھرے دیر اودھر کو جا کر نظر

پرے چل کے آیا تر اکم بہت — حواس اس میں جا کر ہوئے گم بہت

کہیں راہ نکلی تو چلنے پڑے — رہے بال و پر تل بہت واں کھڑے

کہ شاخوں نے جھک جھک ملائے تھے سر — بہت آگے جا جا کے آئے تھے پھر

دہی راہ درپیش دکثرت ہوئی — قیامت کے اوپر قیامت ہوئی

کہیں اسپ و اشتر کہیں فیل مست — زمیں ہر سرِ گام بالا و پست

گزر جس طرف اس طرح سے کیا
روندوں نے خون جگر ہی پیا

میر

۵۴۔ سفرِ جنگل

محاذی تھا اس کوہ کے ایک دشت　　　　کہ دشوار تھا اس میں آدم کا گشت

چلے باد تو ایک موحش ہے شور　　　　رکھے پاؤں دامن کو کھینچے بزور

فقط خار بن کیا کہ پیڑ پہاڑ تھا　　　　کہ بوٹا بھی واں جھاڑ جھنکاڑ تھا

چلو ہی چلو ہے پہ چلتے نہیں　　　　کہ اشجار آگے سے ٹلتے نہیں

نہ لوٹیں نہ سرکیں نہ کاٹے کٹیں　　　　مگر پچھلے پاؤں ہی رہبر ہٹیں

کہیں ہاتھی آیا ہے بھڑکا ہے اونٹ　　　　کھڑے لوگ پیتے ہیں لوہو کے گھونٹ

کہیں ہینگے انفار سرگرم جنگ　　　　گرے ٹٹو پر تل کا عرصہ ہے تنگ

قیامت نمودار ہر ہر قدم　　　　چلے کوئی کیا رکھ کے سر پر قدم

کہیں بچ کے نکلے کہیں جھک چلے　　　　کہیں مضطرب تھے کہیں رُک چلے

اسی طور منزل کو کر قطع راہ

پہونچتے رہے ہم بحال تباہ

میرؔ

۵۵۔ بارش اور شکار

پھر دن سے بارش لگی ہونے زور
رہا ساری وہ رات طوفاں کا شور

ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب
سب اسباب لوگوں کا تھا زیر آب

نہ پوچھ اور اسباب مردم کا حال
نہ چادر رہی خشک نے کوئی پال

قنات اور تنبو پسر سب گئے
کھڑے تھے جو کندے اُتر سب گئے

بھرا پانی لشکر میں پھیلا ہوا
اگر فرش و بستر تھا تھیلا ہوا

ہوا سرد از بس ہوئی ایک بار
کلیجوں سے ہوتی تھی برچھی سی پار

پھرے بادلے لوگ مُنہ ڈھانپتے
جگر چھاتیوں میں رہے کانپتے

رہا ایسی سردی میں کید ھر شکار
ہوئے لوگ خیمے کے اندر شکار

میر

۵۶۔ صحرا

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں
دل کو بہلانے یہاں آتا ہوں میں

دل کی آسائش یہاں پاتا ہوں میں　　تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں
گو نہیں مجھ کو جنوں سودا نہیں
تجھ سے بڑھ جائیں کہیں صحرا نہیں

شہر ہے میرے لئے دشتِ جنوں　　دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
شعلہ زن ہے آتشِ دنیائے دوں　　رکھتی ہے دل کو سدا سیماب گوں
آہ پر تیری نسیمِ خوشگوار
ہے مجھے سرمایۂ صبر و قرار

ہیں قریبِ شہر کچھ باغ و چمن　　بے گماں ہے دلکشا جن کی پھبن
ہیں شگفتہ ان میں نسرین و سمن　　طائرانِ خوشنوا ہیں نغمہ زن
بلبل و گل کے مگر جھگڑوں کے خار
پہلوئے تسکیں کو کرتے ہیں فگار

رو برو ہے ہر طرف ساری زمیں　　صاف آتا ہے نظر چرخِ بریں
جنگل کی فضائے دل نشیں　　کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں
گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر
مرکزِ ادوارِ عالم ہے بشر

ہے ترا ہر فصل میں منظر نیا
دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا

سبز جوڑا ہے کبھی تن پر نیا
لالہ و گل کا کبھی زیور نیا

سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے

تو ٹھکانا غم کے اروں کے لئے
امن کا گھر بے قراروں کے لئے

دل کی رت دل فگاروں کے لئے
الغرض ایسے ہزاروں کے لئے

دہر میں اک بے بدل ماوا ہے تو
جنت الماوا ہے یا صحرا ہے تو

محروم

۵۷۔ روانی دریا

وہ سودی سخن گوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال

لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب
دکھائی ہے شکلِ روانیِ آب

جو بہتا ہے پانی میاں لڈّور
اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور

مناسب جو انگلش مصادر ملے
مقفّٰی کئے ان کے سب سلسلے

یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن

دکھاؤں روانیِ دریائے فکر — جو ہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر

عجب ہی نہیں ان کی اس پر نظر — کجا میں کجا سودیٔ نامور

سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں

مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق

اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا

اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا

روانی میں ایک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا

پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا

وہ پہلو سے ساحل دباتا ہوا — وہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

پھسلتا ہوا غل مچاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا

وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا — یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا

ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور بچتا ہوا دباتا ہوا اور لچتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا وہ خاکی کو سیمی بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا نشیبوں میں بھرتا بھراتا ہوا
اچکتا ہوا اور اڑتا ہوا اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے کا سیلاب آب لڈور
یہ بحرِ خیالات اکبر کا زور

اکبر

۵۸۔ گنگا جی

منظور نہیں ہے خوش بیانی گنگا کی دکھاؤں گا روانی
گئو مکھ سے وہ آپ چل رہی ہے بے ساختہ خود نکل رہی ہے
کیا فیض رساں ہیں اس کی لہریں جاری کر دیں تمام نہریں
کیا خوب ہے آن بان اس کی ساحل پہ بھی ایک شان اس کی
پہلو میں کہیں بتوں کا جمگھٹ ہے رشکِ ارم کہیں پہ پنگھٹ

جاتی ہے جدھر کو منہ اٹھائے   لاکھوں ہی کھڑے ہیں سر جھکائے

تیار ہے کوئی بہر اشنان   پوجا کے لئے ہے کوئی حیران

سیندور کوئی ماتھے پہ لگائے   چندن کی کوئی تلک لگائے

سر کوئی زمیں پہ دھر رہا ہے   ڈنڈوت ہی کوئی کر رہا ہے

کچھ سیر کو لوگ آ رہے ہیں   منظر کا مزہ اٹھا رہے ہیں

ہے دل کو سرور آنکھوں کو نور   گویا ہے اس میں سرمۂ طور

نیچر کا عجب کھیل دیکھا   گنگا جمنا کا میل دیکھا

عاجز اس کے بیاں سے تحریر   ہوتے ہیں جہاں بہم بغل گیر

القصہ بڑھا یہاں سے پانی   اب قابل ذکر ہے روانی

اچھلا کبھی دب کے سر اٹھایا   اُبلا کہیں تھم کے سنسنایا

چلنا وہ کہیں مچل مچل کر   بہنا وہ کہیں سنبھل سنبھل کر

وہ شوکت وہ دبدبہ وہ صولت   وہ رعب وہ ادب اور سطوت

دب کے جانا کہیں دبانا   انداز و ادا کہیں دکھانا

دامن کو کہیں جھٹک کے چلنا   ساحل پہ کہیں مٹک کے چلنا

مڑتا ہے جہاں تو چھب دکھا کر   اڑتا ہے جہاں غضب میں آ کر

نکلا ہے جہاں تہاں پہ ہو کر
دھکا ہے کہیں کسی کو ٹھوکر
بے خوف ونڈر وہ شوخ بیباک
آزاد شریر و چست وچالاک
جلوہ ہر رنگ میں دکھایا
آیا جو سامنے بہایا

مقبول

۵۹۔ گنگا

اے دل فریب گنگا اے دختر ہمالہ
محبوبہ بیاباں اے دلبر ہمالہ
رونق فضائے وادی روشن گر ہمالہ
ہندوستاں کی زینت تاج سر ہمالہ
آباد بستیاں ہیں فیض کرم سے تیرے
ہیں بے شمار جانیں وابستہ دم سے تیرے
عکس شفق کی بریں پہنے قبائے زرّیں
اُف یہ جمال زیبا اس پر یہ حُسن تزئیں
موجوں کی گھونگھٹوں میں رخشاں جبیں سمیں
دل چھین لے نہ ظالم تیرا حجاب رنگیں
قربان اس ادا کے صدقے ستمگری کے
کس نے تجھے سکھائے انداز دلبری کے

تو جنگلوں کی دیوی کہسار کی پری ہے تمثال دلفریبی تصویر دلبری ہے
مانا کہ قید رسم الفت سے تو بری ہے لیکن یہ بے نیازی واللہ خودسری ہے

بس میں اگر نہ آئے تو ہوش میں کسی کے
تھک کر کبھی تو گر جا آغوش میں کسی کے

کتنوں کو اپنی رو میں تو لے گئی بہا کر چلتی بنی کسی کو یا ٹھوکریں لگا کر
پیغام مرگ دینا یہ تیوریاں چڑھا کر پھر چومنا کسی کو آغوش میں بٹھا کر

مہر و عطا کبھی ہے جور و جفا کبھی ہے
رحمت کبھی خدا کی قہر خدا کبھی ہے

بنجو دبنا رہا ہے تجھ کو فشار ساحل سینے سے تو ہے لپٹی بن کر قرار ساحل
کس درجہ رحم دل ہے اے تاجدار ساحل سینے سے تو ہے لپٹی بن کر قرار ساحل

تو مستی خراماں موسیقی رواں ہے
کیوں مختصر نہ کہدوں نام خدا جواں ہے

تجھ میں کوئی حسینہ جب پھول ڈالتی ہے غوطے لگا کے تہ سے پتھر نکالتی ہے
ہنس ہنس کے اپنے سر پہ پانی اچھالتی ہے پھر چونک کر اداسے آنچل سنبھالتی ہے

اس وقت آ کے دیکھے کوئی غرور تیرا
رقص نشاط تیرا وجد سرور تیرا
ہے اضطراب پیہم گنگا خرام تیرا حیرانیِ نگاہ بسمل قیام تیرا
گو فہم عام سے ہے باہر کلام تیرا ہیں اہل دل سمجھتے لیکن پیام تیرا
گنگا مری روانی جذبات آفریں ہے
تو ساز محویت ہے اک شعر دلنشیں ہے
رکھتی ہے تجھ کو بے کل کیا آرزو کسی کی تیرے دماغ میں بھی بستی ہے بو کسی کی
ہاں ہاں تجھے بھی گنگا ہے جستجو کسی کی ہے تیری چشم پرنم دیدار جو کسی کی
صحرا نورد الفت آوارہ وطن ہے
جس حال میں مگر ہے دلشاد ہے مگن ہے
جوگن ہے آہ کوئی مست شراب اُلفت ہے نغمہ ریز پیہم جس کا رباب الفت
وارفتہ محبت خانہ خراب اُلفت پیش نظر ہے جس کے ہر دم کتاب اُلفت
ہے زندگی کو جس نے سودائے عشق سمجھا
اور وسعت جہاں کو صحرائے عشق سمجھا
خورشید چھپ چکا ہے آثار شب عیاں ہیں اشیائے پیش دیں سب آنکھوں سے نہاں ہیں

تجھ سی بہلنے والے ساحل پہ اب کہاں ہیں ہم رہ گئی ہیں تنہا سوزار و ناتواں ہیں

دامن ہیں اپنے لے لے تجھ سی جدا نہ ہونگے

ہنگامۂ جہاں سے پھر آشنا نہ ہونگے

واقف بہاری

۶۰۔ ملموڑی

کیا آب و تاب تجھ میں نہر ملموڑی ہے

پریت کی تو ہے دیبی یا قاف کی پری ہے

آب حیات ہے تو روح نبات ہے تو

تو جان و دل کی ٹھنڈک اور آنکھ کی تری ہے

تو کھیلتی ہے بن میں اور لوٹتی چمن میں

نسریں و نسترن میں تری مصوری ہے

گنہار وہ رنگیلی شالی وہ پیلی پیلی

ریحاں وہ نیلی نیلی کیا صنع داوری ہے

رخشندہ سنگ پارے ہیں چاند یا ستارے

تیری جو کنکری ہے الماس سے کھری ہے
لعل و گہر کے معدن ہیں تیرے جیب و دامن
اور موتیوں سے ہر دم جھولی تیری بھری ہے
چشمے ترے مقطر ہیں جام جم سے بڑھ کر
ٹیلوں کی فوج سر پہ سد سکندری ہے
برف آب سے لبالب ہر دم ہے تیرا ساغر
ساقی بزم تیرا خورشید خاوری ہے
حُسن و جمال تیرا غنج و دلال تیرا
ہر خط و خال تیرا طغرائے دلبری ہے
ہے تیری دھن نرالی کیا دل لبھانے والی

جنگل میں کوئی جوگن
محو نوا گری ہے

ناظر

۶۱۔ دریائے بیاس

اے بیاس اے دلبر نازک ادائے کہسار — حسن کی تیرے منالی ہیں کوئی دیکھے بہار
وہ تری سیماب سی رنگت وہ جوبن کا نکھار — وہ تری مستانہ موجیں اور وہ جوش آبشار

روح را در وجد می آرد صدائے ساز تو
دل بغارت مے برد طرز خرام ناز تو

گنبد گردوں سے ٹکرائے پہاڑوں کے وہ سر — ہر طرف چھائے ہوئے ابر سیہ بن کر شجر
دور سے یوں چوٹیوں پر برف آتا ہے نظر — نور کے تڑکے ہو جیسے چاک داماں سحر

خندۂ دنداں نمائے شاہد رعناست ایں
یا ضیائے روئے حور جنت الماواست ایں

اے عروس کوہ اے محبوبۂ زیبا نگار — چھینے لیتی ہے دلوں کو تیرے جوبن کی بہار
تیرے سبزہ کی کھبی جاتی ہے آنکھوں میں بہار — لالۂ گل سے ترے شان خدا ہے آشکار

دلبرے با ایں چنیں خوبی کسے کم دیدہ است
سبزۂ مثل خط سبز تو کم روئیدہ است

وہ طرارے بھر کے بام کوہ سے آنا ترا — لڑکھڑا کر پتھروں سے وہ مچل جانا ترا

منھ میں مستوں کی طرح وہ جھاگ بھر لانا ترا
وہ مزاج نوجواں کی طرح بل کھانا ترا

مست و بے خود از غم ہر دو جہاں آزادۂ
گرچہ معشوقی چو عاشق سر بہ صحرا دادۂ

وہ سہانا دامن دشت اور طرف کہسار
جھنڈ وہ تیرے درختوں کے وہ تیرا سبزہ زار
اونچے اونچے وہ کنارے بیچ میں پانی کی دھار
جس طرح آغوش عاشق میں کوئی زیبا نگار

حسن را با عشق کوئی شیر و شکر کردہ اند
مہر خم بشکستہ اند و مے بساغر کردہ اند

دامن کہسار میں ہے شور تیرے ساز کا
گونجتا ہے دشت میں کھٹکا تری آواز کا
تیری موجوں میں ہے سناٹا پر پرواز کا
تیرے گردابوں میں عالم ہے طلسم راز کا

گرچہ ہستی خوب ہستی اے نگار شوخ شنگ
رنگ رخ بشکستہ پیشت سادہ رویان فرنگ

دامن صحرا میں کوسوں کی تری اٹھکھیلیاں
سبزۂ تر پر وہ تیری چادر آب رواں
وہ کناروں پر مسلسل دونوں جانب جھاڑیاں
لہلہاتی دھان کی کوسوں تلک وہ کھیتیاں

نخلہا صف بستہ بر ساحل پئے دیدار تو
شاخہا خم گشتہ بہر بوسۂ رخسار تو

چاندنی رات اور نکھرا تیرا وہ بن کر دلہن — چاند تارے کا تن سیمیں پہ تیرے پیرہن
چاند کا ٹیکہ وہ اور تاروں کی افشاں کی پھبن — وہ جھمکڑا نور کا اور وہ بھبو کا سا بدن

کرمک شب تاب ساحل را چراغاں کردہ است
آتش بے دود گلخن را گلستاں کردہ است

جلوۂ نور سحر اور وہ طلوع آفتاب — وہ چمک کرنوں کی وہ چہرے کی آب و تاب
وہ قبا استبرقی پہنے ہوئے ہر موج آب — وہ لئے تصویر سورج کی بغل میں ہر حباب

روشن از نور رخت دامان صحرا گشتہ است
موج حسن ست ایں کہ متحرک بہ دریا گشتہ است

جھومتے باد سحر سے ہیں تیرے بید و چنار — آسماں سے کرتے ہیں باتیں درختان چنار
ہے عیاں جھیلوں سے شان قامت سعائے یار — کم نہیں خوشبو میں کچھ صندل سے ترے دیودار

آبشارت نغمہ سنج ولالہ زارت جلوہ ریز
نخلہایت عنبر افشاں و ہوایت عطر بیز

وہ گلاب اور سیوتی کے پیڑ پھولوں سے لدے — وہ چنبیلی کی قطاریں اور وہ نیلے کے برے
پھول گیندے کے نہیں تیرے سبزہ تر میں کھلے — ہیں سنہری گوکھرو دھانی دوپٹہ میں ٹکے

ایں ہمہ ہا گشت از فیض عمیمت بہرہ یاب
اکتساب نور کردہ ذرہ ہا از آفتاب

وہ ترے ساحل سے نظارے فضائے دشت کے
وہ پہاڑوں کے برابر نیچے اونچے سلسلے
برف کی چادر وہ اونچی چوٹیاں اوڑھے ہوئے
اور نشیبی سلسلے وہ سبزۂ تر سے ڈھلے

سر بر آوردہ ز سبزہ خانہ ہائے خوش بنا
ہمچو محبوبے کہ بر آرد سر از زیر ردا

کامل

۶۲۔ پہاڑی ندی کا گیت

ندی ہوں یا نالہ ہوں میں
آفت کا پرکالا ہوں میں
نکلی ہوں کہسار کے لب سے
مجھ میں ہیں انداز غضب کے
کچھ تو بلندی پست ہوئی ہے
آبادی کچھ دشت ہوئی ہے

زور پہ اپنے جو اتر آئے
ہاں وہ میری زد پہ آ ئے

مدت سے میں خشک پڑی تھی
ریت کے نیچے چپکی لیٹی
پھر موسم برسات کا آیا
دل بادل کہسار پہ چھایا
ہاں وہ ٹپ ٹپ بوندیں آئیں
خوش خبری سیلاب کی لائیں

اے اپنی تقدیر کے صدقے
اب تو موسلا دھار ہی برسے

کوئی ہے جو سامنے آئے مجھ سے آکر ہاتھ ملائے
کشتی مجھ پہ چل کے دیکھے سینہ میرا دل کے دیکھے
گرچہ میں اِک قہرِ خدا ہوں آفت ہوں سیلاب فنا ہوں

مجھ سے ہے سیرابی ساری
ہر سو میرا فیض ہے جاری

محمد شہاب الدین

۶۳۔ لبِ آبجو

یہ فروغ مہر تاباں کہ چمک رہی ہیں کرنیں
لب آب ہیں یہ ساماں کہ تڑپ رہی ہیں موجیں

ہے نظر کو ایک حیرت

لب جو یہ سبزہ و گل کہ ہے دلفریب منظر
یہ مہک رہی ہے سنبل کہ دماغ ہے معطّر

چلی آ رہی ہے نکہت

کہیں پھول ہیں کنول کے کہیں نیلگوں ہے پانی
یہ ہوا کے سرد جھونکے یہ حباب کی روانی
کسی مست مے کی صورت

یہ ہوائے روح پرور کہ درخت ہل رہے ہیں
یہ کنارِ آب منظر کہ شگوفے کھل رہے ہیں
کہ ہے دل کو جس سے فرحت

کہیں شاخوں پر ہیں طائر کہیں ان کے آشیانے
یہ نسیم کیف آور یہ طیور کے ترانے
ہیں پیام خواب راحت

سفیر

۶۴۔ چشمۂ وطن

جاری رہے گا یوں ہی تو او وطن کے چشمے — انداز خوش خرامی ہرگز یہ کم نہ ہوں گے
اے غم گسار طفلی! لیکن یہ غم ہے مجھ کو — ساحل پہ آہ تیرے اپنے قدم نہ ہوں گے
گزرے گا سبزہ زاروں میں کھیلتا ہوا تو — موجوں میں تیرے دلکش کیا پیچ و خم نہ ہوں گے
یوں ہی رواں رہیگا تو سبز وادیوں میں — ساحل پہ آہ! تیرے اپنے قدم نہ ہوں گے
ہلتی رہنگی یوں ہی پھولوں کی تیرے بیلیں — جھونکے نسیم کے یہ کیا صبحدم نہ ہوں گے
تیرا کرینگے یوں ہی مرغابیوں کے جوڑے — ساحل پہ آہ! تیرے اپنے قدم نہ ہوں گے
کھیلا کریں گی تجھ سے سورج کی کرنیں دن میں — کیا شب کو چاندنی کے ساماں بہم نہ ہوں گے
رونق یہی رہیگی تیری وطن کے چشمے — ساحل پہ آہ تیرے اپنے قدم نہ ہوں گے

سرور جہاں آبادی

۶۵۔ عبورِ دریا

کیا ایک نالے سے ہم نے گزر — ہوئی قائم اس جا پہ حشر دگر
گرے گاڑی چھکڑے پیادہ سوار — کہ مقصد تھا سب کا عبور ایکبار

کمر تک لگے پھنسنے دلدل کے بیچ — کہ نالے کا پانی تھا ایک دست کیچ

پھنسے گاؤ و اشتر گرے بارِ خر — ہوئے اسپ و اشتر بھی زیر و بر

نہ ہاتھی نہ اسباب اپنے گنے — یہی ایک میانا بنے سو بنے

کھڑے ہم رہے ہاتھ پر رکھ کے ہاتھ — کریں یار جانیکی کس مونھ سے بات

کہار ایک میانے میں اپنے دیئے — پھر اسکے جو تھے چاروں ہم نے لئے

چڑھا انکے سر آن رو دیئے دریا ہوئے — ہوئے پانی پانی کہ رسوا ہوئے

نہ دیکھے تھے آگے کبھو یہ نمیں
ولیکن خدا نے اتارا ہمیں

میر

۶۶۔ طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا — الٹا ہی تو نے تختہ یارانِ آشنا کا

اچھا کیا ادا حق ہمسائیگی کا تو نے — ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا

اک کاروانِ آصف اترے ترے کنارے — او ناسپاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا

تیری ہر ایک ٹکر داعی بنی اجل کی — تیرا ہر ایک تھپیڑ قاصد بنا قضا کا

منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر — سر پر ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا
تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے — مورد ہوا خدا کیوں الزام نا روا کا
شر ہے شب قیامت دن ہے حساب کا دن — وقت آ گیا سزا کا عہد آ گیا جزا کا
خالی امید کا گھر دروازہ توبہ کا بند — آئے اثر کہاں سے موقع نہیں دعا کا

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہے گا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہے گا

امڈی ہوئی ہے ندی چھایا ہوا ہے بادل — پاٹ اسقدر بڑھا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل
ہے شب نے دن دہاڑے اندھیر ڈال رکھا — خورشید خاوری ہے ابر سیہ کے اوجھل
ایک بارگی گئے کھل گردوں کے سب دریچے — بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول
قدرت کی طاقتوں کو دست قضا ہے روکے — انساں کی کوششیں ہیں بیکار اور معطل
غصہ کا ہے یہ عالم کف در دہاں ہے دریا — وقف شکن ہے ابرو ماتھے پہ ہیں پڑے بل
جوش و خروش اس کا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے — سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس ہیں شل
ساحل پہ گھر ہیں جن کے وہ دل میں کہہ رہے ہیں — مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اول
پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو — جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بیکل
گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب — ہے آج کوچ اپنا ساماں چلا گیا کل

ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں — بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل
واں موجبِ اجل تھی پیاسوں کو تشنہ کامی — یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کا جنگل

محشر کا صور پھونکا موسیٰ نے کو بکو ہے
شور نشور برپا بلدہ میں سو بسو ہے

واحسرتا وہ صدہا گھر بار کا اجڑنا — ہر نخلِ آرزو کی بنیاد کا اکھڑنا
وہ نقشہ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا — کوہِ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا
دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا — سنگیں عمارتوں کا پتوں کی طرح جھڑنا
وہ جسمِ بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا — وہ جانِ ناتواں کا کشتی قضا سے لڑنا
اس ہاتھ کا نہیں ہے جس میں کہ جان باقی — بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا
ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا — اور ضد سے اس کے سینے پر ایڑیاں رگڑنا
بچہ کا ہاتھ آکر پھر ماں سی چھوٹ جانا — زخمِ جگر کے ٹانکوں کا یک بیک اکھڑنا
سب دل کے ولولوں کا پیوندِ آب ہونا — اک رات کی دلہن کا نوشہ سی یوں بچھڑنا
وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا — اور انکی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا
تھا فتنۂ قیامت اے سیلِ رودِ موسیٰ — من کر ترا مچلنا بن کر ترا بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لے کر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سرِ منزلِ عدم کو

ظفر علی خاں

۶۷۔ آبشار

سچ بتا اے کوہ و صحرا کے مسافر آبشار
ٹھوکریں کھاتا ہوا کس جا چلا ہے بے قرار

کیوں سراسیمہ ہے کیوں یہ لڑکھڑاتی چال ہے
سیل اشک چشم تر کی طرح کیوں پامال ہے

تیرے دامن میں ہے دلکش سبزہ و گل کی بہار
میٹھی میٹھی بولیاں اور بلبلان کوہسار

دشت میں جاری ہیں ہر سو نہریں تیرے فیض کی
ذات تیری بہر صحرا وجہ شادابی ہوئی

چشمۂ حیواں ہے تو تشنہ دہانوں کے لئے
اور ہے رشک مسیح افسردہ جانوں کے لئے

سیل جو تیری ہے وہ چین جبین حور ہے
تجھ کو سب حاصل ہے پھر تو کس لئے رنجور ہے

ہائے کیوں پتھر سے ٹکراتا ہے سر کو بار بار
خاک پر تو لوٹ کر کیوں ہو رہا ہے بے قرار

رات دن تجھ کو تلاش بحر الفت تو نہیں
تو بھی میری طرح قید بند آفت تو نہیں

تو کہاں یہ جستجوئے بحر بے پایاں کہاں
دشت پیمائی بقدر جوشش ارماں کہاں

آرزومندی وصل بحر ناپیدا کنار
ایں خیال ست و محال ست و جنوں اے آبشار

شباب

۶۷۔ آبشار

اونچے نیچے پہاڑ ٹیلے
پھیلے ہوئے گول اور نکیلے

ٹیڑھے سیدھے نہال اُن پر
نازک بیلوں کے جال ان پر

بہنا کہیں اور کہیں ٹپکنا
خورشید کے نور سے چمکنا

شفاف وہ دھارا اور وہ پتھر
نکلی ہوئی مانگ جیسے سر پر

چوٹی پہ وہ برف کی صفائی
چمکی جب دھوپ اس پہ آئی

ضو جنبش مہر سے عیاں تھی
کیا کوندرہی ہیں بجلیاں سی

برف اس کی پگھل کے بہ رہی ہے
چاندی گل گل کے بہ رہی ہے

شوق قدوائی

۶۹۔ فوارہ

میرے فوارے عجب دلچسپ ہی تیرا سماں
یہ تری طبع رواں اور یہ ترا جوش نہاں

رات دن سانچے میں وہ موتی یہ موتی ڈھالنا
مہوشان باغ رضواں پر وہ ڈورے ڈالنا

گوہر افشانی تری اور ہلکی ہلکی وہ پھوار
وہ شباب بلبل وگل اور وہ تیرا نکھار

وہ اکڑ کر دیکھنا اپنی جوانی کی بہار
وہ ترا انگڑائیاں لینا چمن میں بار بار

مضطرب موج ہوا پر تو بہت بے تاب ہے
تیری دھاریں جھومتی ہیں یا کہ نخل آب ہے

تو چمن کی روح ہے اور ہے فضا میں تیرا دور
ایک بہار شادمانی ہے ہوا میں تیرا دور

طائر آتے ہیں ترے دامن میں پر کھولے ہوئے
عاشق شوریدہ سر بیٹھے ہیں سر کھولے ہوئے

تیرے دستِ گوہر افشاں کی یہ حالت دیکھ کر
جھولیاں گلشن نے پھیلا دیں سخاوت دیکھ کر

گوندھا موجِ ہوا پر موتیوں کے ہار کا
تیرے سر سہرا رہا ہے رونقِ گلزار کا

تیز ہو ہاں میرے فوارے ذرا پھر تیز ہو
پھر جواہر خیز و گوہر بیز و گوہر ریز ہو

آتشِ گل کا جہاں کچھ بھی اشارہ ہو گیا
اڑ گیا موجِ ہوا پر یوں کہ پارا ہو گیا

تیرا جو قطرہ گیا گردوں پہ تارا ہو گیا
جب گرا آ کر زمیں پر دل ہمارا ہو گیا

سب غبارِ خاطرِ ناشاد تجھ سے ڈھل گیا
تیرا منظر اک طلسمِ دل فریبی ہو گیا

عزیز لکھنوی

۷۰۔ حباب

ہر حباب اس کا نزاکت جوش تھا | موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
یا کہ تھی دریائے پہنی کر کے چاہ | سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ
یا ہوا نے قصد کر کے خواب کا | تھا وہ بے چوبہ بنایا آب کا
درج سیمیں ہوش اس پر کھوتا تھا | گنبد گردوں تصدق ہوتا تھا
کس نے دیکھا اس سوا بہتا ہوا | آب پر الٹا کٹورا سیم کا
کس نے غیر از اس کے دیکھیں بھالیاں | آب پر چینی کی الٹی پیالیاں
تھی ہوا اس میں وہ کچھ خوبی بھری | جس طرح ہوتی ہے شیشہ میں پری
کیا کہوں اس کی صفائی اور چمک | کاسۂ بلور جاتا تھا دمک
موتیوں پہ غم کے اولے پڑتے تھے | دل میں شیشے کے پھپولے پڑتے تھے

اب کہوں میں اس کی خوبی تا کجا
بندھ رہی تھی دور میں اس کی ہوا

نظیر

۱۷۔ بلبلہ

پھولا ہوا ہے کس لئے کیا بلبلے میں ہے
اللہ کون سی یہ ہوا بلبلے میں ہے
اُف کس قدر غرور بھرا بلبلے میں ہے
فرعون کیا یہ آکے چھپا بلبلے میں ہے

کتنا ابھار، کتنی اکڑ، کیسی شان ہے
پانی کی ایک بوند میں کیا آن بان ہے

چھوٹا سا ایک خیمۂ آبی کہوں اسے
یا گنبد فلک سے میں تشبیہ دوں اسے
جام بلور ہے جو کروں واژگوں اسے
کس مست بادہ خوار نے پھینکا نگوں اسے

کس نازنیں کی بزم کا یارب یہ جام ہے
سارے جہاں کی نازکی جس پر تمام ہے

محروم

۷۲۔ باغ

دیا شہ نے ترتیب اِک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت میں خوبی روش کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان

چھتیں اور پردے بندھے زرنگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ بقیش کی ڈوریاں سربسر
کہ مہ کا بندھا جس سے تار نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری مغرق چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کی گل کاریاں

دیے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگنا لطف اس میں سما

وہ مخمل کا فرش ایسا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

رہیں نخلخے اس میں روشن مدام
معطر شب و روز جس سے مشام

چھپر کھٹ مرصع وہ دالان میں
چمکتا دمکتا تھا ہر آن میں

زمیں پر تھی اس طور اس کی جھلک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں اس کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

کھڑے تھے قرینے سے سرو سہی
ذرا دور دوران سے سیب و بہی

کہوں کیا میں کیفیت دار بست
لگائے رہیں تاک واں مے پرست

ہوائے بہاری سے کچھ لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زمرد کی مانند سبزہ کا رنگ — روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار — گل اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے ہرا باغ گل سے چمن — کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا — کہیں رائے بیل اور کہیں مونگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں — مدن بان کی اور رہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار — جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں — سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار — کہ ہر اک سفیدی سی مہتاب دار

کھڑے سرو کی طرح چنپا کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ

کہیں زرد نسریں کہیں نسترن — عجب رنگ کے زعفرانی چمن

پڑا آب جو ہر طرف کو بہے — کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لب نہر پر جھومنا — اسی اپنے عالم میں منہ چومنا

وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پہ — نشے کا سا عالم گلستاں پہ

لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں — چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے

کہیں تخم پاشی کریں گود کر — پنیری جماویں کہیں کھود کر

کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال

لبِ جو یہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد

خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو

کھڑے نہر پہ قاز اور قرقرے
لئے ساتھ مرغابیوں کے پرے

صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور

چمن آتش گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں
لگی جائیں آنکھیں لئے جن کا ناؤں

خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں
تعشق سے آپس میں باتیں کریں

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا

میر حسن

۷۳۔ باغ

دیکھا اک باغ کہ قدرت نے لگایا ہی وہاں
گل خودرو نے عجب جلوہ دکھایا ہے وہاں

مخمل سبز سے ہے سبزۂ تر یا انداز
رنگ گل اس پہ دکھلاتے ہیں تماشا انداز

برسرکوہ جو پانی کا ہے چشمہ جاری
نہر بن بن کے دکھاتا ہی عجب سرشاری

آب یوں سر ہی بدامان جبل مار رہا
سانپ سیماب کا ہو جیسے کہ بل مار رہا

سنگ مرمر کی لب آب جو اک سل ہی پڑی
اس پہ اک رشک پری ہاتھ میں پھولوں کی چھڑی

رنگ رخ کو گل رخسار سے چمکائے ہوئے
بیٹھی اک پاؤں کو پانی میں ہی لٹکائے ہوئے

اس پہ ہی چھتر کی جا سایہ فگن سبز نہال
پھول برساتی ہی پہلو میں کھڑی باد شمال

آزاد

۷۴۔ باغ بنگلہ

باغ ہی یہ عجب ہی یہ روداد
نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد

گل ہیں سب اپنے اپنے جوبن پر
بوئے گل ہی صبا کے توسن پر

ہے عجب پُر شگوفہ و پُر گُل | باغ رنگین جس سے ہے بالکل
ہے عجب لطف پر بہار چمن | جھومتے ہیں کھڑے نہال چمن
سبزہ یک جا پہ لہلہاتا ہے | پیچ سنبل کہیں پہ کھاتا ہے
مالتی کھل رہی جو ہر سو ہے | کچھ عجب بھینی بھینی خوشبو ہے
آب پاشی سے سبزہ لائق دید | سبز مخمل پہ جیسے مروارید
پھول اک ایک اس میں بوقلموں | ہو جیسے دیکھ آدمی کو جنون
وہ سہانا سہانا وقت زوال | لطف گلشن سے ہر شجر ہے نہال
باغ چھوٹا سا پیارے پیارے چمن | گُل تو گُل پتی پتی پہ جوبن
بیچ میں بنگلہ ایک ہے خس کا | فرش جس میں تمام اطلس کا
چار جانب سے آتی ہے خوشبو | کہیں جوہی کھلی کہیں شبّو
ہر چمن پر نئی طرح کی بہار | پھولا اک سمت کو ہے ہار سنگھار
سب چمن اپنے اپنے رنگ کے ہیں | پھول کچھ چین کچھ فرنگ کے ہیں
قفسِ طائران تیز زباں | ہیں قرینوں سے اپنے آویزاں

گل جو چاروں طرف مہکتے ہیں
مست ہو ہو کے سب چہکتے ہیں

مرزا شوق

۷۵- آرائشِ باغ

نظر آیا دلوں کو اک خانہ باغ — کہ بلبل کا دل جس کی فرقت میں داغ

مصفّا وہ نہر اس میں اک بے عدیل — کہے تو کہ ہے موج زن سلسبیل

ہزاروں ہی یوں اس کے پانی رواں — کہ برسائے مینھ جس طرح آسماں

تھی سر سبز برچھیوں میں مہندی جہاں — وہ گویا زمرد کی تھی ٹٹیاں

تھی سوسن کی رنگت اس اسلوب کی — خجل جس سے مسّی ہو محبوب کی

شجر اس کے تھے سب کے سب باثمر — قرینوں ہی سب کچھ ادھر کچھ ادھر

روش صاف صاف آئینہ کی مثال — شجر وہ کہ گل چیں ہو جس سے نہال

ہوا کے وہ جھونکے عجب سرد سرد — کہ کشمیر کا تختہ جس سے ہو زرد

وہ انگور کی ایک طرح دار بیل — جوانوں کو مستی ہو لڑکوں کو کھیل

وہ بلبل کے نالوں کی ہر سمت دھوم — وہ ہر سرو پہ قمریوں کا ہجوم

وہ نہروں کا پانی چمکتا ہوا — پھرے مست جیسے بہکتا ہوا

درختوں پہ بیٹھے ہوئے وہ طیور — دلوں کو ہو جن کی صدا سے غرور

پپیہے کی آواز لیتی تھی جاں — وہ کہتا تھا چلّا کے جب پی کہاں

تھی حالت عجب جانِ مایوس کی صدا جب کہ آتی تھی طاؤس کی

عجب دل پہ ہوتا تھا وحشت کا زور
منڈیروں پہ جب رقص کرتے تھے مور

مرزا شوق

۷۶- آرائشِ باغ

وہ گلزار بے خار نزہت سرشت زمیں اس کی رشکِ زمینِ بہشت

کہیں لالہ و گل کہیں یاسمن طرب خیز ہر سو بہارِ چمن

نشاط آفریں شورِ بلبل کہیں مسرت فزا خندۂ گل کہیں

گلاب اور کیوڑے کی نہریں رواں روش پر بچھائی ہوئی زعفراں

ملا دودھ میں مشک و عنبر کہیں اسی سے ہے سینچی ہوئی گلزمیں

وہ چاروں طرف چادرِ آبشار وہ فواروں کی چاندنی میں بہار

وہ ہر شاخ سرمست صہبائے عیش کھلیں جس کے دیکھے سے گلہائے عیش

جواہر کے گملے لبِ آب جو قرینے سے رکھے ہوئے سو بسو

کہیں ارغواں ہے کہیں موتیا کھلے پھول ہر رنگ کے جابجا

کہیں مست کن کامنی کی شمیم کہیں عطر سا کاروان نسیم
وہ خوش رنگ پھل زینت شاخسار ہیں روشن کنول یا جواہر نگار
کہیں دانۂ رز چمکتے ہوئے ثریا سے خوشے لٹکتے ہوئے
ہر اک رنگ کے پھول پھولے ہوئے
حوادث کو یکسر بھولے ہوئے

بے نظیر

۷۷-باغ و بہار

باغ دیکھا - پھول دیکھے باغ کے اشجار میں
جن کو گوندھا ہے مرے تارِ نظر نے ہار میں
کنج دلچسپ - ان میں کلیوں اور پھولوں کی بہار
سر پہ سایہ اور پاؤں کے تلے ہے سبزہ زار
ہر روش کے دونوں جانب سبز مخمل کا ہے فرش
ہے نئی دوب اس سبب سے رنگ میں ہلکا ہے فرش
کھینچتی ہیں شاخوں میں کلیاں جب کھلاتی ہے ہوا
ہلتی ہیں پھولوں کی شاخیں جب ہلاتی ہے ہوا

ایک گیندا پتیاں خوش رنگ جس میں سینکڑوں
ایک گل پیش نظر ہے جس کی قسمیں سینکڑوں

پتیاں ہیں لال لال اور ان میں زیرہ زرد زرد
گرد آگ اور بیچ میں سونا ہے لیکن آگ سرد

حوض بھی نہریں بھی فواروں کا جن میں لطف ہے
بلبلے شفاف سیاروں کا جن میں لطف ہے

لڑکھڑاتی چلتی ہے ہر موج متوالے کی چال
مچھلیاں پھرتی ہیں ان میں پیاری پیاری لال لال

اس اجو سورج ڈوبتا ہے شوق اب تو گھر چلو
اس چمن سے کل کے نظارہ کا وعدہ کر چلو

شوق قدوائی

۷۸۔ بہار چمن

مجھ کو نہ دے ہم صفیر مژدۂ فصل بہار — آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار
یاد ہے وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں — آہ وہ طرف چمن اور وہ سر شاخسار

لالۂ احمر کا رنگ اور وہ سبزہ کا روپ گوہرِ شبنم کی آب شاہدِ گل کا سنگھار
رنگِ شفق کی نمود، نورِ سحر کا ظہور چرخ کی نیرنگیاں شام و سحر آشکار
ابرِ سیہ کا ہجوم اور وہ مینھ کا وفور رعد کا وہ زور شور، اور وہ چمک بار بار
غنچۂ نو شگفتگی، چار طرف وہ مہک جیسے کوئی کھول دے، نافۂ مشک تتار
گل بہ سرِ شاخسار، یوسفِ مصرِ چمن سرو لبِ جوئبار، مثلِ خضر آبدار
باغ کی سر سبزیاں، نخل کی سیرابیاں پھول کی شادابیاں، ابرِ بہار آبیار
موجِ ہوا سے درخت ہلتے یوں باغ میں جیسے کہ دو سبزہ پوش لطف سے ہوں ہمکنار
دیدۂ نرگس ہے یوں شاہدِ گل کی طرف جیسے کوئی منتظر، محوِ تماشائے یار
باغ میں گلچیں کو دخل اور نہ صیاد کو رحمتِ پروردگار، چار طرف تھی حصار
ہم سے نہ تھا باغباں، برسرِ کین و فساد اپنی طرف سے نہ تھا۔ دل میں کچھ اس کے غبار
وہ زرِ گل کی دمک جس پہ ہو کندن فدا قطرۂ شبنم کی آب جس پہ ہو گوہر نثار
طبع کی صنعت گری، پر نہ ہوا فوق کچھ سونے کا زیور بہت، لائے بنا کر سنار
لالۂ احمر تھا وہ، یا کہ عقیقِ یمن موتیا کی تھی کلی، یا کہ درِ شاہوار
دیکھ کے یہ رنگ ڈھنگ، کہنے لگے جوہری گل ہے ہر اک زرنگار، باغ جواہر نگار
نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا آئی نسیمِ سحر، باغ میں مستانہ وار

آئی نسیم سحر، باغ کو جنبش ہوئی
ہلنے لگے سب درخت، گرنے لگے برگ و بار

یوں دہن غنچہ سے قطرۂ شبنم گرے
دودھ اگلنے لگے، جیسے کوئی شیر خوار

آئی کسی شاخ سے، ایسی سریلی صدا
جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار

بھیر دیں اڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف
تانیں اڑانے لگے، اونچے سروں میں ہزار

جنبش باد سحر، پھونک دے سارا چمن
ہر طرف اڑنے لگے آتش گل سے شرار

جمع کئے صبح نے ایک ہی جا نار و نور
پرتو خور محض نور، آتش گل محض نار

چشمۂ خورشید سے، نور برسنے لگا
آتش گل سے ادھر بن کے اٹھا اک غبار

سرد ہوا میں ہوئے جب کہ بخارات جمع
پھر تو دھواں دھار مینہ پڑنے لگا ایک بار

وہ چمن اور آب جو اور وہ ابر سیاہ
روم و حلب پر محیط ہے سیہ زنگبار

مینہ کے برس جانے سے دھوئے گئے سب درخت
نام کو بھی باغ میں، اب نہیں گرد و غبار

شاخ پر اس طرح سے، شاہد گل جلوہ گر
جیسے زمرد کے تخت، پر ہو کوئی شہریار

ایک طرف نسترن، ایک طرف یاسمن
ایک طرف ارغواں، سارے ہیں خدمت گزار

اور بھی خادم کئی سامنے موجود ہیں
جن کو اشارے کئے چلتے ہیں سب کاروبار

ہے کوئی زریں کمر، اور کوئی زریں کلاہ
ہے کوئی سیمیں بدن اور کوئی سیمیں عذار

لالہ و گل کی نمود، کب ہے لب آب جو
آئینے میں دیکھتا، ہے چمن اپنی بہار

شاخ سے اکثر گرے پھول مہکتے ہوئے
نہر کا پانی تمام، ہو گیا عطرِ بہار

بحرِ ظلمات میں سبز پری غوطہ زن
عکس ہے شمشاد کا، نہر میں یوں آشکار

چار گھڑی دن رہے، کا وہ سہانا سماں
شام اودھ شگفتہ، صبح بنارس نثار

موج ہوا سرد سرد، رنگ گلِ سرخ کا
نشترِ مژگاں سے تیز باغ کا ہر ایک خار

عارض گلگوں سے شوخ رنگ گلِ سرخ کا
نشترِ مژگاں سے تیز، باغ کا ہر ایک خار

دھوپ کی زردی کا رنگ گنبد نیلی کا رنگ
دونوں ملے اس طرح، سبزہ ہوا آشکار

سایہ درختوں کا یوں، صفحۂ گلزار پر
جس سے کہ عکس شبیہ، باغ کی ہو شرمسار

عکس فگن ہو کے شاخ، دے یہ نظر کو فریب
دیدۂ نرگس میں ہے، سرمۂ دنبالہ دار

گرتے ہیں یوں شاخ سے پھول علی الاتصال
تارِ نظر سے نگاہ، گوندھ لے پھولوں کا ہار

دیکھ کے گلنار کو، کہنے لگا باغباں
پھولوں کا گہنا پہن، کر نکل آئی بہار

برگ ہر اک سبز سبز، پھول ہر اک سرخ سرخ
مرغ چمن شاخ شاخ، چہچہہ زن بار بار

مرغ چمن مل کے سب، نغمہ سرا جس طرح
کوک دے ارگن کوئی، اور الاپے بہار

سامنے ہے مہر و مہ، دیکھئے صنعِ الٰہ
جیسے دو آئینہ رو، ہوئیں کسی جا دوچار

ایک کو سکتہ سا ہے، ایک کو حیرت سی ہے
دیکھ کے ایک ایک کو، دونوں ہیں آئینہ وار

ایک کا منہ زرد ہے، ایک ہے بے نور سا
دیکھ کے گل کا سنگھار، اور چمن کا نکھار

رنگِ گلِ نیلوفر، گنبدِ نیلوفری
دیکھ کے گردش میں ہے جیسے کوئی بیقرار

صبح کا عالم کچھ اور، شام کا عالم کچھ اور
صبح ہے کافور بیز، اور شب مشکبار

صبح سنہری ورق، شام روپہلی ورق
فیضِ مہ و آفتاب، شام و سحر آشکار

رات کی وہ چاندنی، اور وہ گلِ چاندنی
جس سے شبِ ماہ کی، ہوتی ہے دونی بہار

دیکھ کے گلِ چاندنی، ہوتا ہے سب کو یقین
چادرِ مہتاب سے، کترے ہیں گل بے شمار

کرمکِ شب تاب کا، ہے یہ چمن میں ہجوم
تاروں بھری رات بھی جس سے کہ ہو شرمسار

ہے گلِ شبّو کی شاخ، شمعِ شب افروزِ باغ
اور یہ اس شمع کے، گرد ہیں پروانہ وار

باغ میں دیکھو جہاں ان کی چمک ہے عیاں
آتشِ گل سے مگر، اڑتے ہیں پیہم شرار

ہے وسطِ گل میں یہ، ان کے سبب سے ظہور
دائرے ہیں جیسے ہو، مرکزِ گل آشکار

بسکہ ہر اک برگ پر، آگ سی ہے اک لگی
ہوتا ہے ہر نخل پر، سب کو گمانِ چنار

سارے چمن میں یہی، سرو و سمن میں یہی
دیدۂ نرگس میں نور، آتشِ گل میں شرار

رات کی خاموشیاں، رات کی تاریکیاں
رات کی وہ راحتیں، صبح کا وہ انتظار

باغ کی آرائشیں، باغ کی زیبائشیں
موجِ ہوا تازہ کار، رنگِ شفق غازہ دار

نکہتِ گل عنبر بیز، آتشِ گل مشک بیز
نکہتِ گل عطر بار، آتشِ گل شعلہ بار

بوئے گل عنبر سرشت، سایۂ گل مشک ناب
سنبلِ پیچاں کے پیچ، نافۂ مشک تتار

طبع چمن عطر ساز، موج ہوا کار ساز — غالیہ مشک و عود، مجمر و دود بخار
دیکھئے جس نخل کو، باغ میں ہے بامراد — طفل شگوفہ کو سب، کہتے ہیں ہی ہونہار
باغ کی کیفیتیں، دیکھ کے ہیں وجد میں — چرخ و مہ و آفتاب، انجم و لیل و نہار

فرش سے تا عرش جو شے ہے وہ حیران ہے
قابلِ نظارہ ہے، قدرت پروردگار

رسوا

۷۹ بہارِ چمن

آسماں پر تھی شفق چھائی ہوئی — ہو گیا تھا وقت بالکل شام کا
ہر طرف تھا قدرت حق کا ظہور — ہر طرف تھا ڈھیر پھولوں کا لگا
تھا کسی گوشہ میں داؤدی کا زور — تھا کہیں گملوں میں دربنیا کھلا
ایک طرف تھی لسٹر شیم کی بہار — ایک جانب دیدۂ نرگس تھا وا
جس قدر دنیا میں ہو سکتے ہیں رنگ — فصل گل نے کر دیا تھا ایک جا
دیکھ کر قدرت کی یہ رنگینیاں — دل میں ہر چڑیا کے تھا اک ولولا
چہلیں کرتی پھر رہی تھیں ہر طرف — ایک جا چپ بیٹھنا دشوار تھا

کہہ رہی تھیں قمریاں حق سرہٗ — پی کہاں کی تھی پپیہوں کی صدا

نالۂ دل دوز کوئل کا کہیں — سن کے تھا بیتاب قلب مبتلا

گل پہ صدقے ہو رہی تھیں بلبلیں — اُڑ رہا تھا کامرانی کا مزا

بے قرار آرزو ہو کر کہیں — گا رہی تھی طوطئ شیریں نوا

پھر رہے تھے مست بھونرے ہر طرف — آ رہی تھی بھنبھناہٹ کی صدا

پھولوں کو گھیرے ہوئے ہر سمت سے — تیلیوں کا خوبصورت جھنڈ تھا

دیکھ کر قدرت کی یہ صناعیاں

بحر حیرت میں تھا میں ڈوبا ہوا

ناگہاں دیکھا کہ تھوڑی دور پر — ایک ٹکڑا لان کا تھا خوشنما

اس کی سبزی کی میں حالت کیا کہوں — فرش مخمل کو بھی اس پر رشک تھا

ایک کرسی پر درختوں کے قریب — ایک بت خورشید و شیریں ادا

جلوہ آرا تھی عجب انداز سے — اللہ اللہ حسن کا کیا رعب تھا

جسم پر ساڑی تھی دھانی رنگ کی — ریشمی فیتہ تھا گرد اس کے لگا

سادگی میں اس کے تھے لاکھوں بناؤ — کوئی زیور جسم پر بھاری نہ تھا

ناک میں تھی خوشنما ہلکی سی کیل — کان میں تھا صرف ایک بندا پڑا

تھیں کلائی میں سنہری چوڑیاں
موتیوں کا اک گلے میں ہار تھا
رنگ رخساروں کا اس کے کیا کہوں
تھا صباحت میں ملاحت کا مزا
بائیں رُخ پر اس کے اک چھوٹا سا تل
کر رہا تھا کام بالکل سحر کا
سو تواں تھی ناک پتلے نیلے ہونٹ
تھی لڑی موتی کی دانتوں پر فدا
گا رہی تھی کچھ دبی آواز میں
جس کی لے میں تھا عجب جادو بھرا

دیکھکر ہادی یہ حسن و سادگی
شوق کا میرے عجب عالم ہوا

ھادی

۸۰۔ دھان کے کھیت

اے تختۂ دلکش تری رنگت یہ ہری ہے
یا قاف کے پردے میں کوئی سبز پری ہے
مخمل کا کوئی فرش مُکلّف یہ بچھا ہے
یا قدرت صانع کی انوکھی یہ دری ہے
دیکھے ہیں چمن بیسیوں گلزار ہزاروں
پر تازگی ایسی نہ یہ خوبی نہ تری ہے
آجاتی ہے جس وقت نسیم صحت افزا
جنبش وہ تری در خور غائر نظری ہے
کیا شان ٹپکتی ہے ترے حسن سے اس دم
کیا لہر سے پیدا تری آب خضری ہے

نزہت ہی تری تازگی چشم تمنا
گودی تری گلہائے مقاصد بھری ہے

ہنسنے کیلئے دھان کی کھیتی ہے ترا نام
خرمن میں نہاں تیرے صد سودہ گری ہے

خشکی ہے تری قہر الٰہی کی علامت
افلاس ہی ادبار ہے دریوزہ گری ہے

شہاب الدین خاں

۸۱ کنج عزلت

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامان کوہ میں اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہے میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن — میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں — روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے — رونا میرا وضو ہو نالہ میرا دعا ہو

دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو — سرسبز جن کی نم سے بوٹا امید کا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے — تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انھیں جگا دے

اقبال

۸۲۔ سکون

دل صافی پہ ہوا ہے مہر خدا کی رحمت — میں نے محسوس کیا ہے بہت آرام یہاں

گوشۂ عافیت اس کو کہیں تو زیبا ہے — کیسی تسکین کا ہے کیسے سکوں کا یہ مکاں

جس طرح شہر سے کچھ دور کوئی مندر ہو — شارع عام سے ہٹ کر کہ نہ ہو بھیڑ جہاں

کوئی جائے بھی جو اس جا تو ارادہ کر کے
یہ نہ ہو ہر کس و ناکس ہو وہاں گشت کناں

جائے تنہا ہو، مکاں گوشۂ عزلت سا ہو
جس طرف دیکھو نظر آئے خموشی کا سماں

سایہ افگن ہو کہن سال درخت اس جا پر
ایسی ٹھنڈک ہو کہ بس آئے وہاں جان میں جاں

صحن میں آبِ مصفا کا بڑا حوض بھی ہو
اور وہ ایسا ہو ممکن کہ نہ ہو جس کا بیاں

گرد میں ہوں روشیں بیش بہا پتھر کی
صاف ایسی کہ نہ تنکا بھی نظر آئے وہاں

سامنے آنکھ کے مندر کا ہو برجِ سنگی
جس کی تعمیر کو برسوں ہوئے ہوں یا صدیاں

غرض ایسا ہو مکاں اور تو وہاں بیٹھا ہو
اور خموشی و سکوں چار طرف سے ہو عیاں

تو وہاں بیٹھا ہو آرام سے اور تیرے سوا
آدمی زاد کا کوسوں نہ نظر آئے نشاں

دیکھ کر آنکھ میں ہو نور طبیعت میں سرور
تو یہ سمجھے کہ زمیں پر ہے یہی باغ جناں

ہے یہی حال جو دیکھو تو دل صافی کا
وہی تسکین و سکوں اور وہی راحت ہے یہاں

وہی ٹھنڈک ہے وہی نور و سرورِ موفور
ہے یہاں بھی وہی تسکین و خموشی کا سماں

میں یہاں بیٹھ کے اے مہر مزے لیتا ہوں
اور سمجھتا ہوں زمیں پر ہے یہی باغ جناں

مہر

۸۳۔ دہلی کے کھنڈر

جدھر دیکھو ادھر ویرانہ ہی ویرانہ پاتے ہیں
عجب اک ہو کا عالم ہے جہاں اوسان جاتے ہیں
عجب عبرت فزا نظارہ ہے گورِ غریباں کا
نشانِ نیست اِن کے ٹھوکروں میں ملتے جاتے ہیں
شکستہ قبریں کچھ ہیں اور گڑھے دو چار باقی ہیں
جو اپنا خندۂ دنداں نما ہم کو دکھاتے ہیں
پڑے پھرتے ہیں دہقاں بے تکلف جن کی قبروں پر
وہ آغوشِ لحد میں بے خبر آرام پاتے ہیں
پڑے ہیں دور آبادی سے وہ اس کس مپرسی میں
ہم ان کی بیکسی پر یوں کھڑے آنسو بہاتے ہیں
یہی ہیں جو چراغِ خانہ تھے اور بزمِ محفل تھے
اب اس شہرِ خموشاں میں انھیں بے یار پاتے ہیں

وہ دن بھی تھے کہ ان کی بزم میں نقارے بجتے تھے
مگر اب بوم ان کی قبر پہ نوبت بجاتے ہیں

کہیں حسرت کہیں شوکت کہیں غفلت برستی ہے
نشانِ رفتگاں. خاموش افسانے سناتے ہیں

یہ سناٹا، یہ قبریں اور یہ میداں کہہ رہے ہیں کچھ
سنو. سب بے ثباتی کے سریلے راگ گاتے ہیں

یہ دنیا چند روزہ ہے مزے بھی چند روزہ ہیں
غرور و نخوت و دولت بھلا کس کام آتے ہیں

اٹھو اے سونے والو بادۂ غفلت کے سرشارو
ذرا آنکھیں تو کھولو. دیکھو تم کو کیوں جگاتے ہیں

زباں خاموش کیوں ہے کچھ تو بولو کون تھے کیا تھے
کچھ اپنی تم کہو ہم سے. کچھ اپنی ہم سناتے ہیں

نہیں اٹھتے. نہیں سنتے. الٰہی کیا قیامت ہے
یہ کیسے سنگدل ہیں. اس طرح سے دل دکھاتے ہیں

بھلی معلوم ہوتی ہے تمہاری شان گمنامی
عدم کے رہنے والو تم سے ملنے ہم بھی آتے ہیں

محمد انعام الحق

۸۴۔ اکبر آباد

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں	کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرہ میں بہت ہم نے خوبیاں	ہر وقت اس سے شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری	شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ رشک ملاحت سے ہے بھری	لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پر بہار عمارات پُر نگار	بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گلعذار	گلشن کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے	دیکھو جدھر ادھر گل عشرت ہیں کھل رہے

ادھر کو قہقہے ہیں تو اودھر کو چہچہے اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوجات دیکھے تو پھر نبات سے بن آوے کچھ نہ بات
شہداں پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہیں گھات قند و شکر بھی دل سے فدا ہیں دن اور رات
رہتے ہیں ان کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

نہر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر لاکھوں بہاریں رکھتی ہے اک ایک جسکی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھوئے شاد بہر اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکناں شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم تو بحر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
جتنے ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آ جاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا لہریں نشاط و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنارہ کچھ عشرت کے بحر کا ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی ایک بحر بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام

ہر طور خوش رہے ہی دل اور طبع شاد کام میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام
ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

نظیر

۸۵۔ قلعہ اکبر آباد

یارب یہ کسی مشعلِ کشتہ کا دھواں ہے یا گلشن برباد کی یہ فصل خزاں ہے
یا برہمی بزم کی فریاد و فغاں ہے یا قافلہ رفتہ کا پس خیمہ رواں ہے
ہاں دور گذشتہ کی مہابت کا نشاں ہے باقی عمارت کا جلال اس سے عیاں ہے

اڑتا تھا یہاں پرچم جم جاہی اکبر
بجتا تھا یہاں کوس شہنشاہی اکبر

باہر سے نظر ڈالئے اس قلعہ پہ یک چند برپا ہے لب آب جمن صورت الوند
گویا کہ ہے کہ سورما مضبوط تنومند یا ہند کا رجپوت ہے یا ترک سمرقند
کیا بارہ سنگیں کا پہنا ہے قزاگند رنگی کا قزاگند پہ باندھا ہے کمربند

مسدود ہے خندق سے رہ فتنۂ و آشوب
ارباب تمرد کے لئے برج ہیں سرکوب

تعمیر در قلعہ بھی البتہ ہے موزوں　　پر شوکت و ذی شان ہے اسکا رخ بیروں
کی ہے شعرانے صفت طاق فریدوں　　معلوم نہیں اس سے وہ کمتر تھا کہ افزوں
گو ہمسر کیواں ہے نہ ہم پلۂ گردوں　　محراب کی ہیبت سے ٹپکتا ہے یہ مضموں

پیلان گراں سلسلہ با هودج زریں
اس در سے گذرتے تھے بصد رونق و تزئیں

اکبر سا کبھی مخزن تدبیر یہاں تھا　　یا طنطنۂ دور جہاں گیر یہاں تھا
یا شاہ جہاں مرجع توقیر یہاں تھا　　یا مجمع ذی رتبہ مشاہیر یہاں تھا
القصہ کبھی عالم تصویر یہاں تھا　　دنیا سے سوا جلوۂ تقدیر یہاں تھا

بہتا تھا اسی کاخ میں دولت کا سمندر
تھے جشن ملوکانہ اسی قصر کے اندر

وہ قصر معلیٰ کہ جہاں عام تھا دربار　　آئینہ نمط صاف ہیں جس کے در و دیوار
اور سقف زراندود ہے مانند چمن زار　　اور فرش ہے مرمر کا مگر چشمۂ انوار
اب بانگ نقیب اس میں نہ چاؤش کی للکار　　سرہنگ کمربستہ نہ وہ مجمع حضار

کہتا ہے کبھی مرکز اقبال تھا میں بھی
ہاں قبلہ گہ عظمت و اجلال تھا میں بھی

جب تک کہ مشیت کو مرا وقر تھا منظور — نافذ تھا زمانہ میں مری جاہ کا منشور

شاہاں معاصر کا معین تھا یہ دستور — کرتے تھے سفیران ذوی القدر کو مامور

تا میری زیارت سے کریں چشم کو پرنور — آوازہ میری شان کا پہنچا تھا بہت دور

اکناف جہاں میں تھا مرا دبدبہ طاری

تسلیم کو جھکتے تھے یہاں ہفت ہزاری

وہ چتر وہ دیہیم وہ سامان کہاں ہیں — وہ شاہ ذو قرنین وہ خاقان کہاں ہیں

وہ بخشی و دستور وہ دیوان کہاں ہیں — خدام ادب اور وہ دربان کہاں ہیں

وہ دولت مغلیہ کے ارکان کہاں ہیں — فیضی و ابوالفضل سے اعیان کہاں ہیں

سنسان ہے وہ شاہ نشین آج صد افسوس

ہوتے تھے جہاں خان و خواتین زمیں بوس

وہ بارگہ خاص کی پاکیزہ عمارت — تاباں تھے جہاں نیر شاہی و وزارت

بڑھتی تھی جہاں نظم و سیاست کی مہارت — آتی تھی جہاں فتح ممالک کی بشارت

جوں شحنۂ معزول پڑی ہے وہ اکارت — سیاح کیا کرتے ہیں اب اس کی زیارت

کہتا ہے سخن فہم سے یوں کتبہ دروں کا

تھا مخزن اسرار یہی تاج دروں کا

اور رنگ سیہ رنگ جو قائم ہے لب بام　　　بوسہ جسے دیتا تھا ہر ایک زبدۂ عظام

اشعار ہیں ثبت اس پہ جہانگیر کا ہے نام　　　شاعر کا قلم اس کی بقا لکھتا ہے مادام

پر صاف نظر آتا ہے کچھ اور ہی انجام　　　سالم نہیں چھوڑے گی اسے گردش ایام

فرسودگی دہر نے شق اب تو کیا ہے

آئندہ کی نسلوں کو سبق خوب دیا ہے

ہاں کس لیے خاموش ہوا تخت جگر ریش　　　کس غم میں سیہ پوش ہے کیا سوگ ہے درپیش

کملی ہے ترے دوش پہ کیوں صورت درویش　　　جوگی ہے ترا پنتھ کہ صوفی ہے ترا کیش

صدقے کبھی مجھ پہ گہر و لعل ہوئے تھے

شاہان معظم کے قدم میں نے چھوئے تھے

وہ رنگ محل برج مثمن کا وہ انداز　　　صنعت میں ہے بے مثل تو رفعت میں ہے افراز

یاں مطرب خوش لہجہ کی تھی گونجتی آواز　　　گہ ہند کی دھرپت تھی کبھی نغمۂ شیراز

اب کون ہے بتلائے جو کیفیت آغاز　　　زنہار کوئی جاہ و حشم پر نہ کرے ناز

جن تاروں کے پرتو سے تھا یہ برج منور

اب ان کا مقابر میں تہ خاک ہے بستر

اس عہد کا باقی کوئی ساماں ہے نہ اسباب ۔ فوارے شکستہ ہیں تو سب حوض ہیں بے آب

وہ جامِ بلوریں ہیں نہ وہ گوہرِ نایاب ۔ وہ چلمن زرتار نہ وہ بستر کمخواب

ہنگامہ جو گذرا ہے سو افسانہ تھا یا خواب ۔ یہ معرض خدام تھا وہ موقف حجاب

وہ بزم نہ وہ دور نہ وہ جام نہ ساقی

ہاں طاق و درداق اور در و بام ہیں باقی

مستور سراپردۂ عصمت میں تھی جو گل ۔ سو دودۂ ترک اور مغل ہی سے تھے کل

کچھ خیری فرغانہ تھے کچھ لالۂ کابل ۔ پھر مولسری ہند کی ان میں گئی مل جل

تعمیر کے انداز کو دیکھو بہ تامل ۔ تاتاری و ہندی ہے بہم شان و تجمل

سیاح جہاں دیدہ کے نزدیک یہ تعمیر

اکبر کے خیالاتِ مرکب کی ہے تصویر

درشن کے جھروکے کی پڑی بھی ہیں بنیاد ۔ ہوتی تھی تلادان میں کیا کیا دہش و داد

وہ عدل کی زنجیر ہوئی تھی یہیں ایجاد ۔ جو سمع شہنشاہ میں پہونچاتی تھی فریاد

وہ نورجہاں اور جہانگیر کی افتاد ۔ اس کاخ ہمایوں کو یہ تفصیل ہے سب یاد

ہر چند کہ بیکار یہ تعمیر پڑی ہے

قدر اس کی مورخ کی نگاہوں میں بڑی ہے

اب دیکھیئے وہ مسجد و حمام زنانہ — وہ نہر وہ حوض اور وہ پانی کا خزانہ
صنعت میں ہر ایک چیز ہے یکتا و یگانہ — ہے طرز عمارت سے عیاں شان شہانہ
کیا ہو گئے وہ لوگ کہاں ہے وہ زمانہ — ہر سنگ کے لب پر ہے غم اندوز ترانہ

چغتائیہ گلزار کی یہ فصل خزاں ہے
ممتاز محل ہے نہ یہاں نور جہاں ہے

وہ قصر جہاں جودھ پوری رہتی تھی بائی — تھی دولت و ثروت نے جہاں دھوم مچائی
دیکھا اسے جا کر تو بری گت نظر آئی — صحنوں میں جمی گھاس تو دیواروں پہ کائی
گویا در و دیوار یہ دیتے ہیں دہائی — ممکن نہیں طوفانِ حوادث سے رہائی

جس گھر میں تھے نسرین و سمن یا گل و لالہ
اب نسل ابابیل میں ہے اس کا قبالہ

وہ مسجد زیبا ہے کہ اس بزم کی دلہن — خوبی میں یگانہ ہے ولے سادہ و پرفن
محراب و در و بام ہیں سب نور کا مسکن — موتی سی ہیں دالان تو ہے دودھ سا آنگن
کافور کا تودہ ہے کہ الماس کا معدن — یا فجر کا مطلع ہے کہ خود روز ہے روشن

بلور کا ہے قاعدہ یا نور کا ہے راس
باطل سی ہوئی جاتی ہے یاں قوتِ احساس

ہاتھوں نے ہنرمند کے اک سحر کیا ہے — سانچے میں عمارت کو مگر ڈھال دیا ہے
یا نارِ نظر سے کہیں پتھر کو سیا ہے — مرمر میں مہ و مہر کا سا نور و ضیا ہے
گو شمع نہ فانوس نہ بتی نہ دیا ہے — ہاں چشمۂ خورشید سے آب اس نے پیا ہے

چلئے جو یہاں سے تو نظر کہتی ہے فی الفور
نظارہ کی دو مجھ کو اجازت کوئی دم اور

مسجد نے اشارہ کیا پتھر کی زبانی — اس قلعہ میں ہوں شاہجہاں کی میں نشانی
کچھ شوکتِ ماضی کی کہی اس نے کہانی — کچھ حالتِ موجودہ بایں سحر بیانی
ان حجروں میں ہے شمع نہ اس حوض میں پانی — فواروں کے دل میں بھی ہے اک روح نہانی

تسبیح نہ تہلیل نہ تکبیر و اذاں ہے
بس گوشۂ تنہائی ہے اور قفل گراں ہے

جمگھٹ تھا کبھی یاں وزرا و امرا کا — مجمع تھا کبھی یاں صلحا و علما کا
چرچا تھا شب و روز یہاں ذکرِ خدا کا — ہوتا تھا ادا خطبہ سدا حمد و ثنا کا
اک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا عز و علا کا — جو کچھ تھا گذر جانے میں جھونکا تھا ہوا کا

ہیں اب تو نمازی مرے باقی یہی دو تین
یا دھوپ ہے یا چاندنی یا سایۂ مسکین

وہ دور ہے باقی نہ وہ ایام ولیالی — جو واقعہ حسی تھا سو ہے آج خیالی

ہر کوشک و ایوان ہر اک منزل عالی — عبرت سے ہے پُر اور مکینوں سے ہے خالی

آقا نہ خداوند اہالی نہ موالی — جز ذاتِ خدا کوئی نہ وارث ہے نہ والی

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں

پتھر کا کلیجہ کئے حیران کھڑے ہیں

اسمٰعیل

۸۶۔ روضۂ تاج گنج

یارو یہ تاج گنج جو یاں آشکار ہے — مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے

خوبی میں سب طرح کا اُسے اعتبار ہے — روضہ جو اس مکاں میں دریا کنار ہے

نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں میاں — پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں

سنگ سفید ہے جو بنا ہے قمر نشاں — ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں

جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند — گرد اس کے گمندیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند

اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند　　ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس　　وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اس میں رہئیے تو ہووے نہ جی اداس　　آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں　　گرد ان کے جالی اور مجحر ہے درفشاں
سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں　　پتے گلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں میں ہیں سنگ ہیں نازک عجب نگار　　آئینے بھی لگے ہیں مجُلّے و تابدار
دروازہ پر لکھا ہے خط طغرا طرفہ کار　　ہر گوشہ پر کھڑے ہیں جو منار اس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں ایک برج بسی کہتے ہیں جسے　　آتے نظر ہیں اس سے مکان دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے　　پھر اور بھی مکان ہیں ادھر اور ادھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ ہے وہ ایسا ہی دل کشا　　آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا

ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی، ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن گلنار لالہ و گلِ نسرین و نسترن
فوارے چھوٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاجدار شاہ جہاں صاحب سریر بنوایا ہے انہوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر تعریف اس مکاں کی ہیں کیا کیا کروں نظیر
اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

نظیر

۷۸۔ آگرہ اور تاج محل

اے آگرہ کی سر زمیں ہے تو بھی فردوس بریں
نازاں ہے تیرے دور میں ہندوستاں کی سر زمیں
ہر صفحہ تیرا دل رُبا ہر نقش تیرا دل نشیں
تیرے عماراتِ کہن دیرینہ شوکت آفریں

تیرے خرابے میں نہاں ہیں کیسے کیسے مہ جبیں

اللہ اکبر وہ بجمد اکبر ہیں جس میں جاگزیں

اب تو ہی ان کو ڈھونڈ لا ہم کو تو وہ ملتے نہیں

وہ روضۂ کیواں نشاں نقش بہشت عنبریں

وہ نقش دو ر ماضیہ سنگیں ترا حصن حصیں

قبر اعتماد الدولہ کی اک طبقۂ خُلد بریں

وہ سنگ مرمر کی چمک جیسے عذار حور عیں

دنیا میں تو ہے اس طرح خاتم پہ ہو جیسے نگیں

اور وہ نگیں بھی ضو فگن

جس میں تجلی موجزن

اے یادگار رفتگاں اے روضۂ جنت نشاں

اے روضۂ گردوں حشم اے جنت ہندوستاں

ہر گوشہ گوشہ تیرا ہے آرام گاہ قدسیاں

ڈھالا ہے سانچے میں تجھے اے مرقد شاہ جہاں

اے قبر تیری گود میں سوتا ہے اک خلد آشیاں

تیرے مجر کے بناؤ جیسے فروغ کہکشاں
جیسے ستاروں کی جڑت یوں تیری پر جبیں سازیاں
ہر کتبہ سے ہے جلوہ گر طغرا نویسِ کن فکاں
افشاں رُخ قدرت پہ ہے یا ہیں نبت کاریاں
وہ جالیاں ہیں دل ربا یا چشمکِ حور جناں
آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں ایسی تجلی کا مکاں
بس بس عزیزِ نکتہ رس کب تک ہوگے درفشاں
ہے منحصر نظارہ پر اس کی حقیقت کا بیاں

سرمایۂ صد ناز ہے
روضہ ہے یا اعجاز ہے

عزیز لکھنوی

۸۸۔ محل سرا

آئی نظر جو مجھ کو وہ نادر محل سرا ‏ ‏ دل میں پری کے باغ کا مجھ کو یقین ہوا
جب اس مکان کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا ‏ ‏ دیکھوں تو اس کا ہے درِ دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہنچا یونہیں میں اس چمن زرفشان میں ‏ ‏ جھمکے مکاں جو اسکے مری آن آن میں
عالم سنہری پردوں میں اور سائبان میں ‏ ‏ کیا دیکھتا ہوں جاکے میں ہر اک مکان میں
سونے کی کھان ہے کہ یہی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام ‏ ‏ فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام ‏ ‏ طاق و رواق اسکے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے واں یہ طلسمات کی ہوا ‏ ‏ عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اس کی چمک چمک کی بہاریں کہوں میں کیا ‏ ‏ چمکا جو وہ مکاں مری آنکھوں میں لپ رہا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

نظیر

۸۹۔ ریل گاڑی

حیواں ہے وہ نہ انساں جن ہے نہ وہ پری ہے ۔۔۔ سینہ میں اسکے ہر دم اک آگ سی بھری ہے

کھا پی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے ۔۔۔ سر سے دھواں اڑا کر غصہ اتارتی ہے

وہ گھورتی گرجتی بھرتی ہے اک سپاٹا ۔۔۔ ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اُسنے کاٹا

آتی ہے شور کرتی جاتی ہے غُل مچاتی ۔۔۔ وہ اپنے خادموں کو ہے دور سے جگاتی

بے خوف و بے محابا ہر دم رواں دواں ہے ۔۔۔ ہاتھی بھی اسکے آگے اک مورِ ناتواں ہے

آندھی ہو یا اندھیرا ہے اسکو سب برابر ۔۔۔ یکساں ہے نور و ظلمت اور روز و شب برابر

اتر سے لے دکن تک پورب سے لے پچھاں تک ۔۔۔ سب ایک کر دیا ہے پہنچی ہے وہ جہاں تک

ہر آن ہے سفر میں۔ کم ہے قیام کرتی ۔۔۔ رہتی نہیں معطل پھرتی ہے کام کرتی

پردیسیوں کو جھٹ پٹ پہنچا گئی وطن میں ۔۔۔ ڈالی ہے جان اُس نے سوداگری کے تن میں

ہر چیز سے نرالی ہے چال ڈھال اسکی ۔۔۔ پاؤ گے صنعتوں میں کمتر مثال اسکی

برکت سے اسکی بے پر پردار بن گئے ہیں ۔۔۔ ٹک اس کے دم قدم سے گلزار بن گئے ہیں

ہم کہہ چکے مفصّل جو کچھ ہے کام اس کا ۔۔۔ جب جانے تم بتا دو بن سوچے نام اس کا

جی ہاں سمجھ گیا میں پہلے ہی میں نے تاڑی

وہ دیکھو آگرہ سے آتی ہے ریل گاڑی

۹۰۔ ریلوے اسٹیشن

غرض عصر پڑھ کر بصد آرزو — لگے کرنے باہم دگر گفت گو
کہ گھنٹی بجا کر کسی نے کہا — نہ گاڑی کے آنے میں وقفہ رہا
جو ہچھیم کا ہو جانے والا چلے — ٹکٹ ماسٹر سے ٹکٹ آ کے لے
سنی جس گھڑی یہ صدائے طرب — کھڑے ہو گئے ہو کے طیار سب
اسی فکر میں محو تھا ہر کوئی — ذرا دیر میں اور گھنٹی ہوئی
وہ سیٹی ہوئی۔ ریل آنے لگی — دھواں دور سے کچھ دکھانے لگی
قلی جلد سگنل گرانے لگا — وہ پائنٹ کوئی ملانے لگا
جو سڑکوں کے پھاٹک بھی آنے لگے — ہری جھنڈیاں سب دکھانے لگے
ہوا لینا دینا ٹکٹ کا بھی ترک — نکلنے لگے آفسوں سے کلرک
جو انجن کے تیور بدلنے لگے — مسافر یکایک سنبھلنے لگے
مقام توقف پہ ٹھہری جو ریل — تو ہونے لگی کچھ عجب ریل پیل
کہیں لوگ اترنے میں گرنے لگے — کہیں خوانچے والے پھرنے لگے
کوئی لیکے لوٹا چلا بہر آب — پکارا کوئی لاؤ پانی شتاب

کوئی رفع حاجت کو دوڑا ادھر — کسی نے نمازیں پڑھیں مختصر

پر اتنے میں سب ہو چکیں گھنٹیاں — رُکے کوئی دم بھر یہ مہلت کہاں

ہوئی ریلوے کمپنی یہ خسیس — کہ دس کی جگہ بھر دیئے بیس[۲] تیس[۳۰]

ہر گو دوسرے میں بھی یہ اژدحام — مگر پہلا درجہ ہے خالی تمام

اسی میں روانہ ہوا بے نظیر
خم زلف جاناں کا تازہ اسیر

بے نظیر

۹۱۔ ریل میں گرمی کا دوپہر

چلی ریل تو ٹھیک ہے دوپہر — ہوا کے ہیں ذرات رشکِ شرر

وہ صرصر کی آتش فشانی کی دھوم — شرر ریز ہر سمت بادِ سموم

جھلستا ہے مُنہ جھانکے گا کوئی کیا — مگر موج شعلہ ہے موج ہوا

کڑی دھوپ کا اس قدر ہے اثر — کہ ہر گاڑی ہے گلخن شیشہ گر

جو رستے میں ملتی ہیں کچھ ندیاں — ہے سوکھی زبان موج ریگ رواں

بڑی سے بڑی ندی پایاب ہے — ہوا خود حرارت سے بیتاب ہے

فلک کی طرف کوئی تکتا نہیں
زمیں کو کوئی دیکھ سکتا نہیں

لگائی ہیں کچھ خس کی جو ٹٹیاں
تو خیر اس سے کچھ سر دہیں کھڑکیاں

مگر کوئی تختہ جہاں چھو گیا
تو رخسار میں پڑ گیا آبلا

یہ گرمی ہے یا قہر پروردگار
کہ ہر سمت ہے العطش کی پکار

عرق میں نہایا ہوا ہر بشر
جبیں زیر سایہ پسینہ میں تر

نہ گھبرائے گرمی سے پھر کیا کوئی
ہوا گرم آتی ہے پنکھے سے بھی

کیا نٹو کے اوپر جو اس دم شمار
تو پارے کو ہے ستّرہ [۱۷] پر قرار

بے نظیر

۹۲- ریل میں پہاڑی سفر

عجب شان سے آج جاتی ہے ریل
کہ صرصر کو پیچھے ہٹاتی ہے ریل

مسرت میں سیٹی بجاتی ہوئی
دھوئیں دشت غم کے اڑاتی ہوئی

اندھیرا پہاڑوں کے اندر کہیں
چڑھائی کہیں اور چکّر کہیں

وہ ٹھنڈی ہوا اور بادل کی سیر
وہ سرسبز وادی وہ جنگل کی سیر

قدم سست و آہستہ دھرنا کہیں　　پہاڑوں پہ چڑھ کر اترنا کہیں

مقام ایسے دو چار پائے گئے　　جہاں دو دو انجن لگائے گئے

کہیں کوئی دریا کہیں کوئی جھیل　　کہیں سلسلے کوہ کے مستطیل

کہیں سینکڑوں فٹ وہ سڑکیں بلند　　نہ تا فرط پستی سے پہنچے گزند

بلندی پہ جس وقت آتی ہے ریل　　سماں دور تک کا دکھاتی ہے ریل

برنگ خطوطِ رمل کوہسار　　کہیں چشمے جاری کہیں مرغزار

کہیں کوسوں جنگل ہے ساگون کا　　کہیں دور تک جھاڑیاں جابجا

کہیں سبزہ ہر دو طرف موج زن　　کہیں پھر رہے ہیں ہزاروں ہرن

بنے ہیں جو قلعے سر کوہسار　　ہیں کیا جانے کس عہد کے یادگار

پہاڑوں کے اندر ہے رستہ جہاں　　وہاں دن کو روشن ہوئیں بتیاں

اسی طرح چڑھتی اترتی ہوئی　　چلی مرحلے قطع کرتی ہوئی

جو رستے میں تھے چھوٹے چھوٹے مقام　　کسی جا نہ اس نے کیا کچھ قیام

یونہیں شہر مقصود تک جابجا　　کوئی دس منٹ تک توقف کیا

جو سگنل نظر آ گیا ایک بار　　لگی سیٹیاں دینے بے اختیار

غرض اب وہ اسٹیشن آیا نظر
کہ تھا جس کی خاطر یہ سارا سفر

۹۳- قدیم سواری

وہیں بیچ آیا میانہ مرا | کوئی دیکھتا رنج اٹھانا مرا
سواری سے مجھکو ندامت ہوئی | کہ چاروں طرف سے ملامت ہوئی
لگے کہنے آیا فرنگی کہاں | کہ چوپائے کی رسم چھوڑی ہے یاں
جسے دیکھو چارانے رکھ کر کہار | لگا ہونے ہر صبح اس پر سوار
چلو ہی چلو ہے کہ بیچ جائیو | کہ چوپائے کے پاس مت آئیو
روندے ادھر کے ادھر ہیں خراب | یہ جاتے ہیں حجرے کو بھاگے شتاب
نہ اس حال سے اہل دفتر خبر | توجہ نہ عمدوں کی کچھ ہے ادھر
وگرنہ، ہو قدغن کہ اب اہل کار | نہ رہنے دیں لشکر میں ڈولی سوار

نہ مانیں تو چوپایے دلویں الٹ
ابھی گھوڑے لیں ڈپٹے ایک ہی ڈپٹ

میر

۹۴۔ عرضِ حال

سنئے قبلہ مری گذارش کو — آپ کا بندہ ہوں میں تابعدار

جانیے سچ جو عرض کرتا ہوں — جھوٹ کہنا نہیں ہے میر اشعار

جو گذرتی ہے آج کل مجھ پر — کب زبان قلم سے ہو اظہار

میں ہوں اور ایک گوشۂ تاریک — کوئی ہمدم نہ کوئی ہے غم خوار

رات دن ایک کنج تنہا میں — بیٹھا رہتا ہوں ششدر و ناچار

کس مصیبت سے گھر ملا وہ بھی — ٹوٹے پھوٹے ہوئے در و دیوار

اور سامان کی یہ حالت ہے — چارپائی کے گرد ہے انبار

دال چاول ملیں ہیں کھانے کو — کھاتے کھاتے ہوا ہے جی بیزار

گیہوں اور گوشت تک جہاں نہ ملے — ایسی بستی پہ ہو علی کی سنوار

اک مصیبت جو ہو تو کیجئے عرض — نئی آفت ہے ہر گھڑی دوچار

مجھ کو عرصہ ہوا یہاں آکر — جب سے بیٹھا ہوا ہوں بس بیکار

ایک ادھّی نہیں ملی اب تک — مفت خالی گیا یہ اسفندار

خرچ جب ہو چکی جمع پونجی — کون دیتا ہے یاں پہ قرض ادھا

مجھ کو جلدی بلائیے یاں سے — التجا ہے یہی مری ہر بار
اور ایسی جگہ دلا دیجئے — جس سے قائم رہے کچھ عزو وقار
کچھ تو راحت ملے اور عزت ہو — کیسے گزریں گے یوں یہ لیل ونہار
میری تکلیف اور راحت کا — ظاہرا آپ پر ہے دارومدار
حیف ہے وہ اٹھائے یوں زحمت — آپ سا جس کا ہووے حامی کار

"تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

عالی

۹۵- زلزلہ

بھونچال کا جو حق نے یہ نقشہ جما دیا — قدرت کا اپنی زور جہاں کو دکھا دیا
روشن دلوں میں نور نظر کا بڑھا دیا — غفلت زدوں کو مار کے ٹھوکر جگا دیا

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھما دیا

سنہ بارہ سو اٹھارہ میں یہ واردات تھی — اول جمادی بارھویں تاریخ سات تھی

دن بدھ کا جمعرات کی وہ آدھی رات تھی بھونچال کیا تھا قدرت حق کی یہ بات تھی

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

باہم کواڑ لڑ پڑے زنجیریں ہل گئیں کڑیاں کڑک کڑک کے چھتوں سے نکل گئیں

بچھے ستون کانپنے منڈیریں ڈھل گئیں دیواریں جھوم جھوم کے پنکھے سے جھل گئیں

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

قدرت کی تیغ کی ہے یہ کچھ آب درددری کھچتے ہی سب کے پڑ گئی سینوں میں تھرتھری

دارائی کام آئی نہ کچھ یاں سکندری یک دم میں تھرتھرا گئی سب خشکی و تری

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

بھونچال کی دھمک کا وہ سنتے ہی کھڑکھڑا جی دھک سے تن میں ہو گیا اور دم نکل گیا

اوروں کے دل کی کیا کہوں جانے وہی خدا بر میں تو جانا صور سرافیل پھک گیا

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

بھونچال کا تو کہنے کی خاطر ہی نام تھا یہ زور شور اور کی قدرت کا کام تھا
احکام ذوالمنن کا جہاں اہتمام تھا یہ لرزہ تو وہاں کا اک ادنیٰ غلام تھا

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھمبا دیا۔

سجدے کرو خدا کے تئیں یارو دمبدم آخر کریم تھا تو کیا اس نے پھر کرم
باقی تو کچھ رہی نہ تھی پر تھم گئے قدم ورنہ اسی گھڑی میں نہ پھر تم تھے اور نہ ہم

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھمبا دیا

بھونچال کیا وہ چاہے تو ایک پل کی مارتے کر ڈالے آسمان و زمیں کو اوپر تلے
اڑنے لگیں پہاڑ روئی کی طرح پڑے قادر قدیر دم میں جو کچھ چاہے سو کرے

دریا و کوہ و شہر د جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھمبا دیا

محکوم سب ہیں اُس کے ہی حاکم وہی الٰہ تابع ہیں اس کے حکم کے ماہی سے تا بماہ
جب اس کا حکم آئے تو ہو کون سدِّ راہ کیا حکم ہے عزیز ذرا دیکھو واہ واہ

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

نظیر

مناظرِ قدرت

جلد دوم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعراء کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکر گذاری ہوگا۔

(۱) **آزاد:-** مولوی محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لکھنؤ صفحہ

(۳۶) زمستان " " " " ۸۹

(۴۵) شملہ 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۱۰

(۷۳) باغ 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۶۱

(۲) اسمٰعیل: مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۲ء وفات ۱۹۱۷ء وطن مدفن میرٹھ

(۳) نظارۂ قدرت 〃 〃 〃 〃 ۳۲۰

(۴) خدا کی صنعت 〃 〃 〃 〃 ۳۵

(۵) خدا کی کاریگری 〃 〃 〃 〃 ۳۸

(۳۷) جاڑا اور گرمی 〃 〃 〃 〃 ۹۰

(۴۳) کوہ ہمالیہ 〃 〃 〃 〃 ۱۰۵

(۸۵) قلعہ اکبر آباد 〃 〃 〃 〃 ۱۸۱

(۸۹) ریل گاڑی 〃 〃 〃 〃 ۱۹۴

(۳) اقبال: ڈاکٹر سر محمد اقبال

ولادت ۱۸۷۷ء وطن سیال کوٹ

(۱) ستارہ 〃 〃 〃 〃 ۲۹

(۲) صبح کا ستارہ 〃 〃 〃 〃 ۳۰

(۸۱) کنج عزلت " " " " ۱۷۴

(۴) اکبر: سید اکبر حسین صاحب مرحوم
ولادت ۱۸۴۶ء وفات ۱۹۲۱ء وطن مدفن الہ آباد

(۵۷) روانی دریا " " " " ۱۳۲

(۵) اُنس: میر مہر علی صاحب مرحوم
ولادت وطن فیض آباد

(۳۹) بہشت بریں " " " " ۹۷

(۶) اوج: مرزا محمد جعفر صاحب
ولادت وطن

(۴۲) انقلاب زمین " " " " ۱۰۴

(۷) بینظیر: سید محمد بینظیر شاہ صاحب وارثی
ولادت ۱۸۶۳ء وطن کڑا مانک پور ضلع الہ آباد

(۶) صبح صحرا ۳۹

(۷) گلگشت چمن ۴۱

(۱۲) صبح بنارس ۴۷

(۸) چکبست: منشی برج نرائن صاحب

ولادت ۱۸۸۲ء وطن لکھنؤ

(۹) حالی: خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وفات ۱۹۱۴ء وطن مدفن پانی پت

(۱۰) حسرت شیروانی: نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمن خانصاحب شروانی

(۱۱) رسوا: پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب بی۔ اے

ولادت وطن لکھنؤ

(۳۳) میر: میر محمد تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن اکبر آباد وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنؤ

(۳۴) میر حسن: میر غلام حسین صاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات ۱۷۸۹ء مدفن لکھنؤ

(۳۵) نادر کاکوروی: نادر علی خاں صاحب مرحوم

(۳۶) ناظر: چودہری خوشی محمد صاحب

ولادت ۱۸۷۲ء وطن ضلع گجرانوالہ

(۳۷) نشاط: میر حیدر حسین صاحب

ولادت وطن امروہہ

(۳۸) نظیر اکبرآبادی: شیخ ولی محمد صاحب مرحوم

ولادت وطن دلّی وفات ۱۸۳۰ء مدفن اکبرآباد

Valume III···Collection of poems describing the objects of Nature such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees, Butterflies, favourit Birds and Quadrupeds.

Valume IV···Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life.

It will be seen that the Series in its variety and scope, is really a panorama of Indian life, depicting genuine feelings and emotions, discussing national as well as social and moral problems and describing every day life in its relation to the objects and events of nature. This will enable the reader to survey the extent and guage the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNEY,
Osmania University,
Hyderabad (Deccan).

Volume IV···Collection of poems dealing with the various problems of Ethics and Morals.

Set II

JAZBAT-E-FITRAT (Natural feelings and Emotions).

Volume I···Selections from the works of the two old and premier poets Mir and Sauda.

Volume II···Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mohani.

Volume III···Selections from the works of some thirty old noble poets.

Volume IV···Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature)

Volume I···Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainyseason, Winter Summer and Spring.

Volume II···Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and Forests, Eields and Gardens Cities and famous Buildings.

the first three voluems of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published and it received such an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than 12 Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes was published in their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in future.

The Series is divided into three Sets and covers 12 Volumes as follows:—

Set I

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Commnity)

Volume I···Collection of poems In praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion. A Prayer Book.

Volume II···Collection of poems depicting the past present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala as told here, is extremely impressive.

Volume III··Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.



SELECTED URDU POEMS SERIES

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of comparative study of congnate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-Books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when

288 392 430

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE
		2019	12,19
13,20			
15,23			
14,21			
14,20			

Selected Urdu Poems Series

Manazir-e-Qudrat

Edited by

MOHAMED ELYAS BURNY

M. A. LL. B. (ALIG)

Osmania University

Hyderabad (Deccan)

VOL. II

4th Edition Price Rs. 2